قال اللہ تعالیٰ
مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ (الآیۃ)
فیضِ شیخ
جس میں شیخ وقت مرشد عالم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ
کے فیوض کی روشنی میں تعلق باللہ کا آسان طریقہ بیان کیا گیا ہے،
جو کم فرصت اور بیمار وضعیف حضرات کے لئے عجیب تحفہ ہے
مرتب
محمد اقبال مہاجر مدنی
مجلسِ نشریاتِ اسلام ۱۔کے ۳ ناظم آباد ۱ کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقصدِ تحریر رسالہ "فیضِ شیخ"

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد! آجکل عام طور پر جسمانی قویٰ بہت ضعیف ہوگئے ہیں، ہمّتیں کمزور ہوگئیں اور شوق وطلب برائے نام رہ گئی۔ اوقات میں برکت نہیں رہی، ضروریات کی زیادتی اور مشاغل کی کثرت ہوگئی، ماحول کے خراب ہونے اور گناہوں کی کثرت سے قلوب زنگ آلود ہوگئے۔ آزادی، خودپسندی، خودرائی اور جہالت کا زور ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود پریشانیوں سے نجات اور راحت وسکون کا ہر شخص طالب ہے، بلکہ اس کے ساتھ بعض حضرات اپنی اصلاح اور دینی ترقی کے بھی خواہاں ہیں، مگر اس کیلئے کچھ قربانی اور مجاھدہ کی ہمّت نہیں ہوتی۔ راقم سطور بھی ان ہی مذکورہ حالات سے دوچار ہے لیکن اللہ تعالیٰ شانہٗ کے فضل سے شیخِ وقت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کی خدمت میں طویل عرصہ رہنا ہوا ان سے اصلاحِ حال کے سلسلہ میں کچھ ایسی باتیں سُنیں اور سمجھیں جن پر عمل کرنے میں کوئی مجاھدہ اور طاقت خرچ نہیں ہوتی صرف اپنے خیالات ہی کو دوسرے خیالات میں بدل دینے اور ایک کام سے دوسرے کام میں لگا دینے سے انسان میں زبردست تبدیلی آجاتی ہے۔

خیال ایک ایسی چیز ہے جو ہر قوی اور ضعیف انسان میں ہر وقت خودبخود

مصروف کار ہے بلکہ کسی حال میں بھی اس کے کام کو روکا نہیں جا سکتا، مگر یہ طاقت یا تو فضول ضائع ہو جاتی ہے یا ایمان اور جان کے بگاڑنے میں خرچ ہوتی ہے اگر اس کا مصرف اور رُخ ٹھیک ہو جائے تو عام مسلمان کی طرح صرف فرائض و واجبات کے مختصر اعمال کی ادائیگی اور معروف کبائر سے اجتناب (جو کہ عام شریف آدمی کرتے ہی ہیں) اسے ولی کامل کر دیتا ہے۔

اور اسے کوئی عجیب چیز نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایک مجرب و معمول بہا طریق ہے جس کا نام "طریق قلندر" ہے۔

حضرت مرشد پاک سے حاصل شدہ اس کیمیا سے بندہ تو فائدہ نہیں اٹھا سکا لیکن حضرت کی برکت سے اس کا تقاضا ضرور ہے کہ اپنے مرشد پاک کے اس فیض کو دوسرے احباب تک پہنچا دوں تاکہ میرے مرشد پاک کا فیض عام ہو اور کوئی خوش قسمت فائدہ اٹھائے تو یہ بندہ کے لیے ذریعہ نجات ہو بموجب حدیث

الدال علی الخیر کفاعلہ

یعنی خیر کی بات بتلانے والا اجر میں مثل کرنے والے کے ہوتا ہے۔

حضرت مرشدی کی ایک نصیحت :

آج سے تقریباً ۲۵ برس قبل حضرت مرشدی روحی فداہ نے ایک نصیحت فرمائی جبکہ بندہ نے حضرت سے مالدار بننے کے لئے اپنے بلند عزائم کا ذکر کیا تھا، حضرت کے اصل الفاظ تو اس وقت محفوظ نہیں مگر مطلب خوب یاد ہے اور اس کی وضاحت اب تک دل و دماغ میں خوب مستحضر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ "انسان کو فضول کام میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے، ہم کو جب امیر بننے کی سوجھتی ہے تو یوں خیال کر لیتے ہیں یہ سہارنپور کی ساری

دوکانوں کا مالک میں اکیلا ہوں، ان پر میرے ہی ملازم اور کارندے کام کرتے ہیں
خریدنا، بیچنا، حساب رکھنا، اور اس میں سے اپنی کارکردگی وصول کرنا اور باقی روپے
جمع کرنا سب ان کے سپرد ہے، جتنے کی مجھے ضرورت ہوتی ہے وہ آجاتا ہے، باقی
انتظامات کے تفکرات سے میں فارغ ہوں اور اپنے اصلی کام (دینی کام) میں مشغول
ہوں۔"

بندہ نے غور کیا تو حضرت کی زندگی کو اسی کے مطابق پایا، ساری دوکانوں
کی ملکیت کی مثال سے تو اپنے قلبی غنیٰ کو سمجھانا تھا اور قلبی غنیٰ ہی اصل غنیٰ ہے۔

حدیث پاک میں ہے: لیس الغنیٰ عن کثرت العرض، ولکن الغنیٰ
غنی النفس (متفق علیہ) یعنی غنیٰ کثرت مال کا نام نہیں ہے بلکہ اصلی غنیٰ دل
کا غنیٰ ہے۔

حضرت کی ایک دوکان جو ضابطہ میں بھی حضرت کی ملکیت تھی یعنی کتب خانہ
یحیوی، اس سے یکسوئی اور فراغت کا حال وہی تھا جو کہ سہارنپور کی دوسری خیالی
ملکیت والی دوکانوں کا بیان ہوا، اسی طرح دیکھا گیا کہ جب کسی دوسرے راستہ سے
مقدر کی کوئی چیز ذلیل ہو کر آپڑی تو حضرت اسی وقت اس کو ٹھکانے لگا کر فارغ ہو گئے
اگر کوئی مصرف سامنے ہوا تو اس میں خرچ کر دیا ورنہ کوئی مصرف تجویز کر کے نام زد
کر دیا۔

حضرت کی یہ بات سن کر بندہ کو اپنے سارے عزائم فضول اور لغو محسوس ہونے
لگے، گویا ذرا سا خیال تبدیل ہونے سے زندگی کا رُخ ہی بدل گیا، فکر و پریشانی،
راحت و سکون سے بدل گئی، بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے فقیر سے غنی ہو گئے۔

کوئی اس قصہ کو ایک لطیفہ سمجھ کر چاہے متکبرانہ طور پر مسکرا دے مگر صادق مصدوق فخرِ عالم سید الکونین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسی دل ہی کے غنیٰ کو اصلی غنیٰ اور حقیقی غنیٰ فرماتے ہیں اور ہمارے مخاطب مؤمنین خصوصاً برادران طریق ہی ہیں جن کیلئے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہی اصلی حقیقت ہیں۔ باقی سب نظر وفکر کا دھوکہ ہے مگر جو شخص دھوکہ میں ہو یا خواب کی حالت میں ہو خود اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ میں دھوکہ میں ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں، اگر حقیقت معلوم ہو جائے تو دھوکہ ہی نہیں رہتا۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ابوذر! کیا تمھارا خیال ہے کہ مال کی کثرت غنیٰ ہے؟ میں نے عرض کیا بیشک! پھر حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کیا تمھارا خیال ہے کہ مال کی قلت فقر ہے؟ میں نے عرض کیا بے شک! حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ غنیٰ صرف دل کا غنیٰ ہے اور فقر صرف دل کا فقر ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ اصل غنیٰ دل کا غنیٰ ہے جس خوش قسمت کو بھی حق تعالےٰ نصیب فرمائے، اور یہی حقیقت زہد ہے جس کے اندر مال کی محبت بالکل نہ ہو وہی غنی ہے، وہی زاہد ہے، چاہے ظاہر میں اس کے پاس مال ہو یا نہ ہو، اور جس دل میں دنیا کی محبت ہو وہ فقیر ہے، دنیا دار ہے، چاہے کتنا ہی مال اس کے پاس ہو۔

پھر حضرت مرشدی دامت برکاتہم کے فیض سے خیالات کی تبدیلی کی طاقت کے سارے پہلو اور تفصیلات سامنے آتی رہیں کہ محض خیال بدل لینے سے کس قدر عظیم منافع حاصل ہو سکتے ہیں، اس کے ذیل میں حضرت کے ارشادات اور اعمال

قلبی جو بہت آسان لیکن بہت وزنی ہیں بطور امثلہ کے آخر رسالہ میں بیان ہوں گے
پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ جہاں سے یہ خیالات اور اعمال پیدا ہوتے ہیں اس
پرزہ کی اصلاح ہو جائے تاکہ اعمال قلبی اور خیالات صالح پیدا ہوں وہ پرزہ قلب
ہے، اس کی اصلاح میں اکثر دینداروں کو ایک مغالطہ ہے کہ وہ ظاہری بدنی
اعمال ہی کو اصل مقصود اور قلب کی اصلاح کا ذریعہ سمجھتے ہیں، حالانکہ حدیث پاک میں
قلب کی اصلاح کو بدن کی اصلاح کا ذریعہ فرمایا گیا ہے۔

ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت
فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔ (الحدیث)

تحقیق جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا بدن ٹھیک
ہوتا ہے (یعنی بدن سے نکلنے والے سارے اعمال صالح ہوتے ہیں) اور اگر
یہ خراب ہو جائے تو سارا جسم ہی خراب ہو جاتا ہے، سنو وہ انسان کا دل ہے۔

البتہ اعمال قلبی جن ضروری اعمال ظاہری کا تقاضہ کرتے ہیں ان کا بجا لانا بھی
ضروری ہے۔ اگر کوئی اس تقاضے کو پورا نہیں کرتا بلکہ صرف اعمال قلبیہ ہی میں مشغول
رہتا ہے تو سمجھا جائے گا کہ اس کے اعمال قلبیہ میں سچائی نہیں اور وہ ناقص ہیں،
مذکورہ بالا حدیث پاک کی بنا پر سب سے پہلے اصلاحِ قلب کی فکر ہونی چاہیے۔ اس کے
لیے اس رسالہ میں وہ طریقہ لکھا جائے گا جس میں نہ تو کوئی مال خرچ ہو اور نہ کوئی
ریاضت شاقہ کرنا پڑے، صرف اس تحریر کو غور سے پڑھ کر ذہن کو صاف کر کے مطمئن
ہو کر خیالات کے الٹ پھیر کرنے کا تھوڑا سا کام کرنا ہوگا، پنجاب کے ایک عارف حضرت
بُلّھے شاہ فرماتے ہیں ؎

بُلھیا دل دا کی سمجھانا
ایتھوں پٹنا ایتھے لانا

یعنی اصلاح قلب کوئی مشکل کام نہیں (بشرطیکہ کوئی چاہے) صرف اتنی سی بات ہے کہ اپنے خیال کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ مشغول کر دینا ہے۔

یہ بات ہے تو اتنی سی لیکن ہے ایسی عظیم الشّان کہ اپنا سب کچھ قربان کر کے بھی حاصل ہو جائے تو مفت ہے اور مقصود یہاں اسی کو بیان کرنا ہے کہ بزرگوں کے بتائے ہوئے طریقے سے یہ کتنی آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔

اصلاحِ قلب:

اصلاح باطن کے ائمّہ کے نزدیک اصلاح قلب کا جو مجرّب طریقہ ہے اس میں تین چیزیں اصل ہیں ۱ ارادت ۲ صحبت ۳ اصلاحی ذکر (اگرچہ ان تینوں اجزار کے منافع جدا جدا بھی ہیں، مثلاً ذکر کے بے شمار فضائل ہیں جو بغیر صحبت و ارادت کے بھی حاصل ہوتے ہیں اور صحبت کا نفع بغیر ذکر کے بھی حاصل ہوتا ہے لیکن اصلاحِ قلب کے لیے تینوں اجزار کا مجموعہ ہی مؤثر ہے) باقی ان کے متعلقات اور مؤیدات اور کچھ محظورات ہیں جن کا تعلق بھی خیالات ہی سے ہے۔ ان ساری چیزوں کا مفصّل بیان تو بندہ کے رسالہ "محبّت" میں ملاحظہ فرماویں، یہاں تو صرف ارادت اور صحبت سے متعلق اشکالات کی وضاحت مقصود ہے۔

ارادت:

جرعۂ مے ریخت ساقی الست
برسرایں خاک شد ہر ذرہ مست

یعنی ساقی الست (محبوب حقیقی) نے معرفت کی شراب کا ایک چھینٹا روز میثاق میں ہم پر ڈال دیا تھا جس سے اس خاک کا ہر ذرہ مست ہوگیا تھا۔

اسی محبت کی آگ کا ایک شعلہ جب کبھی خوش قسمتی سے دل میں معرفت اور حقیقت کی طلب پیدا کرتا اور روح کی غذا طلب کرتا ہے تو آدمی وصول الی اللہ تعالیٰ کی استعداد پیدا ہونے کے لیے اپنا تزکیہ اور اپنے قلب کی اصلاح چاہتا ہے اور اس مقصد کے لیے گزشتہ غفلت کی زندگی سے توبہ کرنے اور آئندہ کے لیے رضا و تقوے والی زندگی گزارنے میں اپنی رہنمائی کے لیے کسی صاحب نسبت اور صاحبِ ارشاد شیخ سے اپنا مقصد اور ہدایت طلب کرتا ہے، اسی کو ارادت کہا جاتا ہے اور یہی چیز بیعت کہلاتی ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ کا نام سیکھنا اور توبہ کرنا بھی کہا جاتا ہے، جس کی صورت شیخ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر زبان سے اقرار کرنا بھی رائج ہے یہ ارادت بہت عظیم چیز ہے جیسا کہ اس کے مذکورہ بالا مطلب اور مقصد سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت مرشدی کا معمول بیعت کے وقت مختصر خطبہ پڑھنے کا بھی رہا ہے جس میں یہ آیت شریفہ بھی پڑھی جاتی ہے، اس سے بیعت کی عظمت خوب ظاہر ہوتی ہے۔ یہ آیت مندرجہ ذیل ہے۔

ان الذین یبا یعونك انما یبا یعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔ الآیۃ

ارادت کرنے والوں کے درجات :

ارادت والوں کے کئی درجے ہیں، اپنے اپنے درجے کے مطابق ہی ان کی

بیعت ہوتی ہے، جس طرح جہاد میں شرکت کرنا کئی درجہ رکھتا ہے، جیسے کہیں جہاد کے لیے جان و مال کی تحریک ہو رہی ہو، لوگ چندہ دے رہے ہوں۔ یہ دیکھ کر ایک شخص دوکان پر بیٹھا ہوا جیب سے ایک روپیہ نکال کر چندہ دے دیتا ہے۔ اگر دکھاوے کے لیے دیا ہے تو محض بے کار اور گناہ ہوا۔ اگر دیکھا دیکھی سے ایک نیک کام کی ترغیب ہو گئی تھی تو انشاءاللہ تعالےٰ ثواب ملے گا اور جہاد میں ایک درجہ کی شرکت ہو جائے گی لیکن اس کو اپنی اس معمولی شرکت کی کوئی پرواہ نہ ہوگی۔ چندہ لینے والا رسید کاٹنے لگے تو یہ کہہ دے گا کہ رسید کی ضرورت نہیں، آپ تشریف لے جاؤ میری دوکانداری کا حرج ہوتا ہے، ایک دوسرا آدمی ہزار دو ہزار دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چندہ وصول کرنے والوں کو اپنی دوکان پر بٹھائے گا۔ کچھ حال احوال بھی پوچھے گا اور یہ بھی دیکھے گا کہ کوئی معتبر آدمی بھی ہے اور اس سے رسید بھی لے گا، ایک تیسرا آدمی شہادت کے شوق میں بہ نفس نفیس مجاہدین میں شامل ہونے کے ارادہ سے کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنی بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کرنے اور اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کروا کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو ایسا آدمی پہلے اچھی طرح تحقیق کرے گا کہ یہ جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہے یا محض ملک گیری کے لیے فساد ہے، لشکر کو بھیجنے والا کون ہے اور امیر لشکر کون ہے، دیانت دار سمجھ دار آدمی بھی ہے یا نہیں کہ اپنی جان و مال کا تصرف اس کے سپرد کرنا ہے۔ کیا وہ ایسا ہے کہ دوران جہاد اس کے احکامات بلا دلیل مانے جا سکیں۔

کفار سے جہاد کرنے کو جہاد اصغر کہا جاتا ہے اور اصلاح نفس کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا جاتا ہے، جیسا کہ ایک غزوہ سے مدینہ پاک واپسی

پر فخر دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر اى جهاد النفس۔

اس لیے ارادت کرنے والا جہاد اکبر کرنے والا ہوا، جیسے جہاد اصغر میں شرکت کرنے والوں کے درجات کے تفاوت کی مثال دی ہے، ایسے ہی جہاد اکبر کرنے والوں کے مختلف درجات ہوتے ہیں، بعض لوگ بیعت کی حقیقت جانے بغیر بیعت کو ایک نیک کام سمجھتے ہوئے بیعت کا ارادہ کرتے ہیں، یہ بیعت، بیعتِ توبہ کہلاتی ہے۔

اپنے گناہوں سے توبہ اور آئندہ نیک کام کرنے کا عہد تو آدمی تنہائی میں خود بھی کر سکتا ہے اور کرتے بھی رہنا چاہئے لیکن اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول بندہ کو گواہ بنا کر اس کے ہاتھ پر توبہ کرنے میں قبولیت اور برکت زیادہ ہوتی ہے اور اس بندہ کے مرتبہ اور وجاہت کی وجہ سے اس کا لحاظ ہوتا ہے، بزرگوں کے سلسلہ سے ایک تعلق ہو کر سلسلہ کی کچھ برکات بھی حاصل ہو جاتی ہیں، جو بعض وقت خصوصاً موت کے وقت اپنا رنگ بھی دکھلاتی ہیں، جیسا کہ آج کل دو آنے کا ٹکٹ لے کر کوئی کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہو جائے تو پارٹی کے نیچے سے اوپر تک کے لوگ اس کو اپنا آدمی سمجھتے ہیں، حسبِ قابلیت اس کا خیال رکھا جاتا ہے، ان ہی میں سے اگر کوئی کام کرنے والا اور قابل ہو تو ممبری اعزاز اور بڑے عہدے دیئے جاتے ہیں۔

دوسرے کچھ لوگ بیعت ہو کر اپنے کو بدلنے کے لئے کچھ کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، کچھ وظیفہ ورد بھی سیکھنا چاہتے ہیں تو ان کو ہمارے حضرت معمولات کا پرچہ

دیدیتے ہیں جو اس راستہ کا لازمی نصاب ہے، یہ ابتدائی بھی ہے اور دائمی بھی۔
(پرچہ کے مندرجات رسالہ "محبت" میں ملاحظہ فرمادیں۔)

بیعت سلوک:

تیسری قسم کے کچھ لوگ وہ ہیں جن کو ابتدائی معمولات پر عمل کرتے ہوئے یا ابتدا ہی میں اس راستہ کا اصل مقصد یعنی نورِ یقین اور احسانی نسبت کے حصول کا شوق ہوتا ہے اور وہ غذائے روح حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے سلوک کا ذکر شغل کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ سمجھ لیں کہ ہم نے بیعت سلوک کی ہے یا کر رہے ہیں، جیسے شہادت کے شوق میں جہاد میں بنفس نفیس شرکت کرنے والا سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا ہے ایسے ہی اس جہاد اکبر کے کرنے والے کو قدم اٹھانے سے پہلے سمجھ کر عزم کرنا چاہیے اور ارادت کے حقوق و آداب کو پیش نظر کرلینا چاہیے، اس کے لیے مرشد کے شرائط حضرت اقدس کی کتاب "شریعت و طریقت" میں ملاحظہ کریں اور مرشد کے آداب و تعلقات کی نوعیت کے لیے بندہ کا رسالہ "اکابر کا احسان و سلوک" کی دوسری فصل بغور پڑھ لینی ضروری ہے جو کہ معتبر کتب سے مختصر طور پر لکھے گئے ہیں، ان شرائط اور آداب کا یہاں بیان کرنا بہت ضروری تھا کہ ان کی رعایت کیے بغیر اس راستہ سے فائدہ اٹھانا دشوار ہے لیکن چونکہ یہ مختصر تحریر شوق رکھنے والے اور ضعیف قویٰ والے برادرانِ طریق کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ بہت بڑی نعمت ہے، اس لیے صرف کتابوں کا حوالہ دے دینا ہی کافی سمجھا گیا اور جن کو زیادہ شوق نہیں وہ اس تحریر کے مخاطب بھی نہیں ہیں، وہ حضرات اس راستہ کا شوق اور اہمیت پیدا کرنے والی کتاب "محبت" کا پہلے مطالعہ کریں۔

ارادت کا مسئلہ بہت اہم ہے لیکن اس میں کوئی مجاہدہ یا بدنی عمل نہیں کرنا

پڑتا صرف عزم کی پختگی کا فیصلہ کرنا ہے جس کا تعلق محض سوچنے ہی سے ہے۔ اس سلسلہ میں چند اہم امور یہاں ذکر کئے جاتے ہیں جو کہ ان کتب مذکورہ پر اضافہ ہے یا زیادہ اہم ہیں۔

مرید ہونے کی شرطِ اعظم یعنی مناسبت کا بیان :

حدیث پاک میں ہے۔

الارواح جنود مجندۃ۔ فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر اختلف (متفق علیہ)

یعنی محبت کی اصل وہ روحانی تعلق ہے جو ازل سے ارواح کے اندر رکھ دیا گیا ہے، بیعت ہونے والے سمجھدار، خصوصًا صاحب علم حضرات شرائط شیخ کی تحقیق کر لیتے ہیں اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں بزرگ شرائط اور صفات میں سب سے بڑھ کر ہیں، لیکن ان بزرگ سے نفع حاصل ہونے کی شرطِ اعظم کی طرف عام طور پر توجہ نہیں کی جاتی، پھر بعد میں پریشان ہوتے ہیں، وہ شرطِ اعظم شیخ و مرید کی باہمی مناسبت ہے جس کی بنا پر محبت و تعلق قوی ہو سکے پھر محبت کے ساتھ سچی ارادت و عقیدت رنگ لاتی ہے کیونکہ جب محبت کے ساتھ ارادت ہوگی تو احتیاج و افتقار بھی دل میں ہوگا جس کے لوازمات میں سے انقیاد و اتباع ہے اور اس چیز سے شیخ کے فیوض و برکات مرید میں منتقل ہوں گے کیونکہ فیوض الہیہ کا واسطہ شیخ ہے اس میں مرید کا ذرا سا بھی عدم انقیاد اور صورت اعتراض فیض کے منقطع ہونے کا باعث بن جاتا ہے لہذا محبت کے بغیر نری عقیدت سے کام نہیں بنتا۔ اگر کسی کو عقلی مناسبت و عقیدت تو ہو لیکن محبت اور طبعی مناسبت نہ ہو تو وہ قابل علاج ہے، کثرت مجالست، کثرت ملاقات کرے اور شیخ کے کمالات علمی و عملی کو سوچا کرے، اور اس سے جو نفع ہو رہا ہے، اس نفع کی عظمت کا

استحضار کرے، اگر طبعی محبت بھی نہ ہو اور عقلی طور پر عدم مناسبت کے اسباب موجود ہوں مثلاً سیاسی، علمی، تبلیغی وغیرہ امور میں اختلاف ہو تو ایسے شیخ سے بیعت نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اس تعلق میں دل میں کوئی اعتراض، بحث اور چون وچرا کی قطعی گنجائش نہیں، البتہ کوئی شاذونادر خصوصی صلاحیت والا ایسا ہو سکتا ہے جس کو اپنے شیخ سے ان مذکورہ امور میں اختلاف اس کی محبت وعقیدت میں فرق نہ ڈالے بشرطیکہ شیخ کا مزاج بھی ایسا ہو اس پر اس چیز کا اثر نہ ہوتا ہو لیکن تربیت کے طور پر طریق میں اختلاف یا خودرائی سب ہی کے لیے محرومی کا باعث بن جاتا ہے۔ بندہ اس مضمون کو اس لیے طول دے رہا ہے کہ ان اصولوں کے خلاف کرنے پر بہت سے اچھے اچھے صاحب علم حضرات کو پریشان اور بیچ میں لٹکے ہوئے پراگندہ دیکھا ہے، کیونکہ اس راستہ کی پہلی چیز ارادت ہے۔ اس میں غلطی ہو جانے سے ساری عمارت میں آخر تک کمزوری رہتی ہے ؎

خشت اول چون نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اس بات کی اہمیت فیض کی حقیقت پڑھنے کے بعد سمجھ میں آئے گی جو آگے چل کر بیان ہوگی، اگر کسی بڑے کامل بزرگ جن میں شرائط شیخ کمال کے درجہ میں پائے جاتے ہوں اور وہ بہت سے مشائخ کا شیخ ہو، وقت کا قطب ہو لیکن کسی کو کسی وجہ سے مناسبت نہ ہو یا اس بزرگ کے کمالات اس درجہ کو پہنچ گئے ہوں کہ ان کی باتیں سمجھنا عام آدمی کی سمجھ سے بالا ہو یا کسی کی اس شیخ تک رسائی ہی نہ ہو سکے تو اس کو اس قطب وقت سے بیعت نہ ہونا چاہیے، کہ وہ یا تو قطب وقت سے بدظن ہو کر نقصان

اٹھائے گا یا بات نہ سمجھنے کی وجہ سے عقائد خراب کر کے تباہ ہو گا، ایسی حالت میں ان کے خلفا ریا ان سے کم درجہ کا شیخ تلاش کرنا چاہیے، پھر اس کے ذریعہ اس قطب کا اور سارے سلسلہ کا فیض بقدر اپنی ہمت کے حاصل کرے گا۔ مثال کے طور پر بجلی تو پاور ہاؤس سے آتی ہے وہاں سے بجلی لینے کے لیے چاہے پاور ہاؤس کے قریب والے بڑے کھمبے سے اپنا تار جوڑ لے، چاہے دور والے چھوٹے کھمبے سے جس میں باریک تار اور کمزور کرنٹ آتا ہے، جوڑ لے۔ اگر بندش مضبوط ہو تو جتنی قوت اور صفائی کا اپنا بلب ہو گا اتنی ہی روشنی اور کرنٹ پاور ہاؤس سے آجائے گا، ہمارے اکابر میں بہت سے حضرات نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی زندگی میں ان کے خلفاء حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی وغیرہ رحمہم اللہ تعالےٰ سے بیعت کی، ہمارے حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ نے حضرت گنگوہی کی حیات ہی میں حضرت کے خلیفہ شاہ عبد الرحیم صاحبؒ سے بیعت کی، حالانکہ حضرت شاہ صاحب نے انھیں گنگوہ جانے کی ترغیب بھی دی تھی

شیخ کے انتخاب اور ارادت حاصل ہو جانے کے بعد کا کام :

امداد السلوک میں لکھا ہے کہ جس کے دل میں سلوک الی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا تخم قائم ہو جائے تو اس کو اس کی بہت حفاظت کرنی چاہیے، کیونکہ یہ غیبی مہمان ہے، پس اس کو غنیمت سمجھے (غیبی مہمان کے متعلق ارادت کے بیان کے شروع میں تذکرہ آچکا ہے) اور اس کے سامنے مناسب غذائیں لاکر رکھے تاکہ پوری خوشی کے ساتھ ہضم کرے، اور ایسی غذائیں در حقیقت شیخ طریقت کے سوا کہیں نہیں

ملتیں، کیونکہ ارادت کا تخم مرید کے دل میں اس بچہ کے مثل ہے جو عالم غیب سے پیدا ہو کر عالم شہادت یعنی دنیا میں آوے پس اس کی غذا عالم غیب کے اس دودھ کے جو ماں کے پستان سے نکلتا ہے دوسری نہیں بلکہ بازار کا دودھ بھی نہیں اسی طرح ارادت کا نور جو مرید کے دل میں بتوفیق الٰہی عالم غیب سے پیدا ہوا ہے اس کی تربیت بھی بجز معرفت کے اس پانی کے جس کو فیاض باری عز اسمہ چشمۂ غیب سے اہل غیب کے دل پر پہنچائے، دوسری شے نہیں ہو سکتی، اور اہل غیب وہ مشائخ ہیں جو رسول کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلّم کی متابعت سے مشرف ہوئے اور فیوض و واردات خداوندی کا ان پر فیضان ہوا، اور وہ اللہ والے ہو گئے، چنانچہ "عوارف" میں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت منقول ہے کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا تھا میں صدیق اکبر کے سینہ میں ڈال چکا۔ آگے تحریر فرماتے ہیں، جب آپ کی عمر شریف ختم ہو گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اپنا خلیفہ چھوڑا اور اسی طرح قیامت تک ہر زمانہ میں ایسے لوگ رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں، لہٰذا طلبِ صادق پیدا ہو جانے پر بعد تتبع شرائط شیخ اپنی مناسبت کے شیخ سے بیعت کر لی جائے اور ارادت میں مضبوطی رکھی جائے۔

ارادت میں مضبوطی کا اثر:

"ارشاد" میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مختصر صحبت کی برکت سے فتوحات ہو جاتی تھیں، اور ایک ہی جلسہ میں اتنے معارف اور حقائق حاصل ہو جاتے تھے کہ دوسروں کو سالہا سال کی خلوت میں بھی نہیں حاصل ہوتے، اس ثمرہ کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ ایمان لانے کے بعد

فیضانِ نبوت سے سرفراز ہوتے تو سب رسومات وعادات کو یک لخت چھوڑ چھاڑ کر ایسے مطیع ہوتے کہ اطاعتِ رسول میں بدل وجان راضی تھے اور بال برابر بھی فرق نہ آنے دیتے تھے، تو جب ان کی ارادت کا امتحان ہوگیا کہ وہ راہِ طلب میں صادق، راسخ اور پختہ ہیں، پس حق تعالےٰ نے ان کے قلوب میں ایمان ڈال دیا اور ان کی ساری ہمت رسول کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت اور اس سرحلقۂ محبوبان کے جمال باکمال کے ملاحظہ وزیارت میں مصروف تھی، اور حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم فضائل وکمالات کے سرچشمہ اور مجمع تھے، جب آپ نے ان کو سچی ارادت میں مضبوط دیکھا تو قلب مبارک کے آفتاب کا عکس ڈالا اور نظر ہدایت اثر سے ایک نگاہ ڈال کر نبوت کے انوار اور معدن رسالت کے جواہر سے مشرف اور مالا مال بنا دیا، آگے لکھتے ہیں کہ پھر ان حضرات کی روشنیاں تابعین کے قلوب میں منعکس ہوئیں کہ انھوں نے ان کے دل وجان کو بھی خالص نور بنا دیا اور اسی طرح آئندہ سلسلہ چلتا رہا۔

ارادت کی مضبوطی کے بعد آداب کے ساتھ شیخ کی صحبت کا بیان :

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا کہ صحبت شیخ کی تاثیر اور آداب مریدین میں "اکابر کا سلوک" اور رسالہ "محبت" کا ضرور مطالعہ کر لیا جائے، حضرت شیخ زاد مجدہم حضرت رائے پوریؒ کا ایک ملفوظ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی صحبت اکسیر ہے جبکہ دل میں کوئی خرخشہ نہ ہو، یہاں ایک اشکال کا جواب عرض کرنا ہے۔

آدابِ شیخ کی غیر معمولی اہمیت میں ایک اشکال :

یہ اشکال اس آزادی، خودرائی اور جہل مرکب کے دور میں بعض پڑھے لکھے لوگوں کی زبان پر آجاتا ہے یا کم از کم ان کے طرز عمل سے اس کا اظہار ہوتا ہے کہ شیخ ذکر بتلانے میں ایک استاد اور قلبی امراض کے لیے تدابیر بتلانے والے ہی کے تو مثل ہے، ان کی صحبت میں بیٹھنے سے دین کی باتیں معلوم ہوتی ہیں استادوں اور بزرگوں کا ادب تو کرنا ہی چاہیے ہم بھی کرتے ہیں مگر ادب میں اتنی باریک باتوں کو اہمیت دینا کہ ان کے سامنے اونچی آواز سے بولا بھی نہ جائے، گردن جھکائے رکھے، کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے، اس طرح کا معاملہ کرے جیسا کہ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کرتے تھے۔ شیخ کے مصلی پر پاؤں نہ آئے، حتیٰ کہ چلنے میں اپنا سایہ بھی ان پر نہ پڑنے دے۔ ان کی مجلس کے اوقات میں ان کے قریب نفل نماز بھی نہ پڑھے وغیرہ وغیرہ، جو امور کتب میں لکھے ہیں اور صوفی لوگ جو معاملہ اپنے پیروں کے ساتھ کرتے ہیں اور محبت میں مبالغہ عشق کے درجہ تک کرتے ہیں۔ یہ سب کیوں ضروری ہے۔ استاد جو کئی سال رات دن درس دے کر کسی کو پورا عالم بنا دیتا ہے اس کے ادب و تعظیم میں تو اتنا زور نہیں دیا جاتا حالانکہ اس کے حقوق زیادہ ہیں مگر پیر صاحب جو دو منٹ میں ذکر کا وہی طریقہ بتلاتا ہے جو تصوّف کی عام کتب میں درج ہوتا ہے، اتنے سے کام کے لئے پیر کی ضرورت اور اس کے ادب کی اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ اس کی ادنیٰ گرانی اور تکدر کو ہلاکت سمجھا جاتا ہے چنانچہ "ارشاد" میں یہاں تک ہے کہ صوفیا نے کمال ارادت میں اور شیخ کی عدم مخالفت کے متعلق یہاں تک مبالغہ کیا ہے

کہ فرماتے ہیں۔

"مرید کو بلی کے تصرف میں ہونا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ اپنے تصرف میں رہے۔"

شاید یہ سب جہلار کی اوہام پرستی اور پیشہ وری پیری مریدی کی باتیں ہیں اور غلو ہے، ایک عالم دین کو اتنے افتقار کا برتاؤ اور صحبت شیخ کی کیا ضرورت ہے خصوصًا جبکہ بعض بزرگوں کی مجلس میں کوئی علوم و معارف کا بیان بھی نہ ہوتا ہو، محض چپکے بیٹھنا یا عام بات چیت ہوتی ہو تو ایسی صحبت سے کیا حاصل؟

اشکال کا جواب:

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

ساصرف عن اٰیتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق۔

یعنی میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ تکبر قبول حق میں سب سے بڑا مانع ہے، کبر اور خود پسندی کا اثر یہ ہے کہ امر حق کے قبول کرنے سے نفرت ہوتی ہے اور وہ دوسروں کے اعتقاد و خیال اور رائے و قیاس کو حقیر سمجھنے لگتا ہے مگر تکبر ایک قلبی اور مخفی امر ہے، ہم کسی کو متکبر نہیں کہتے ہیں مگر اتنا ضرور عرض کرتے ہیں کہ اگر کوئی اشکالات کے جواب سمجھنے کا اخلاص سے ارادہ رکھتا ہو تو کم از کم اپنی رائے کے غلط ہونے کے امکان اور احتمال کو تو مان لے پھر غور کرے کہ صحابہ کرامؓ سے لے کر اب تک جتنے بڑے بڑے

اولیاء اللہ، مجدد اور محتاط علماء ربانی گزرے ہیں، سب نے ان آداب پر خود عمل کیا اور اس کی اہمیت کو بیان کیا۔ ان حضرات کی تواضع، بے نفسی اور اخلاص کو جمہور امت نے قبول کیا ہے اور پوری امت کا کسی گمراہی پر اکٹھا ہو جانا بروئے حدیث اور از روئے عقل ممکن نہیں، ہمارے دور کے پیران پیر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں اس لیے مرید کر لیتا ہوں کہ قیامت کے دن پیر کو جہنم میں جاتا ہوا دیکھ کر یہ مرید ترس کھائے گا، ہاتھ پکڑنے کی لاج آوے گی، شاید اسی کی برکت سے بخش دیا جاؤں یہ شیخ العرب والعجم کا حال ہے لیکن کوئی تو بات ہوگی کہ ان ہی کی تصانیف آداب شیخ کی اہمیت سے بھری ہوئی ہیں، کوئی تو راز ہوگا جس کی وجہ سے عام بدو صحابی جن کو آج کل کے فارغ التحصیل عالم دین سے زیادہ حدیث و فقہ کا علم نہ تھا اور بعد کے عابدوں سے زیادہ عبادت کرنے والے بھی نہ تھے مگر بڑے سے بڑے عالم اور عابد سے بڑھ کر تھے کوئی تو راز ہوگا جس کی وجہ سے حضرت امام احمد بن حنبل حضرت بشر حافی کا بے حد ادب کرتے تھے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں کتاب کا عالم ہوں، وہ اللہ کے عالم ہیں، کوئی تو راز ہوگا کہ ہمارے قریب زمانہ کے مرجع علماء حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی نے حضرت حاجی صاحب کو اپنا پیر بنایا اور مریدی کے آداب کا حق ادا کر دیا۔

اس کے بعد یہ سمجھیں کہ وہ راز شیخ کی حقیقت اور اس کے فیض کی نوعیت ہے۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا فیض ان کے مظاہر کے واسطہ سے پہنچتا ہے، بندوں کو ہدایت کا نور پہنچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو اپنے اسم ہادی کا مظہر بنایا اور ان کے قلوب کو آفتابِ ہدایت بنایا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو براہ راست بندوں کو ہدایت فرما دیتے مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہی تقاضہ ہوا کہ یہ کام اپنی مشیت کے تحت انبیاء سے

لیا جاوے، پھر انبیاء کے آنے پر بھی ہر شخص کو ہدایت نہیں ملی اور جن کو ملی ان کو بھی برابر کا فیض نہیں پہنچا۔ جتنی سچی ارادت اور محبت کا مظاہرہ جس نے کیا اس نے اتنا ہی بڑا درجہ پایا، پھر صحابہ کو نیابت کے طور پر اسم ہادی کا مظہر بنایا گیا اور ان کے قلوب کا نور تابعین کے قلوب میں منعکس ہوا۔ اسی طرح اس کے بعد سلسلہ چلتا رہا جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بھی ذکر ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ "قول جمیل" میں تحریر فرماتے ہیں صحبتنا وتعلمنا آداب الطریقۃ والسلوک متصلۃ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بالسند الصحیح المستفیض المتصل ۔یعنی ہماری صحبت اور طریقت اور سلوک کے آداب کو سیکھنا متصل ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک صحیح سند سے اور متصل ہے تا صاحبِ رسالت تو شیخ کی حیثیت نائبِ رسول کی ہوئی اور حقیقت اسم ہادی کے مظہر کے ہوئی اسی لئے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ "ضیاء القلوب صہ" میں فرماتے ہیں کہ "مرشد کا حکم وادب خدا اور رسول کے حکم اور ادب کی جگہ سمجھے کیونکہ مرشدین خدا اور رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں"۔

یعنی مرشد کی اتباع اور اطاعت بطور نیابت کے ہوگی یعنی خدا اور رسول ہی کے احکام پر چلنے اور عمل کرنے میں کمال پیدا کرنے کے لیے پیروی کی جاوے گی نہ کہ مستقل مطاع سمجھ کر کہ کسی کے خود ساختہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنے لگے کہ ایسی اطاعت شرک کی قسم ہے۔

"امداد السلوک" جو فخر المحدثین حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے، اس میں شیخ کو مظہر خدا فرمایا گیا ہے، لہٰذا ایک طرف تو شیخ کی حیثیت نائبِ رسول کی ہے

اور دوسری طرف شیخ کی حقیقت مظہر خدا کی ہے، جب یہ بات ہے تو ظاہر ہے کہ آداب میں بہت ہی نزاکت اور احتیاط کی ضرورت ہے۔

اسمار مبارکہ چونکہ ذات پاک سے الگ نہیں اس لیے ان کے مظاہر کو بھی ذات پاک سے ایک خاص معیت، قرب و فنائیت حاصل ہوتی ہے جس کو حدیث قدسی میں۔

کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا۔

فرمایا گیا، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ کو اس کی کثرت سے نفل نمازوں اور نفلی عبادتوں کی وجہ سے میں اپنے قرب کا مرتبہ عطا فرماتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، یعنی اس کا دیکھنا سننا اور حرکات سب للہ، فی اللہ اور من اللہ ہوتی ہیں اس لیے ان کی زیارت سے اللہ تعالیٰ کی یاد پیدا ہوتی ہے اور حدیث پاک میں اللہ والوں کی یہی پہچان آئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آئے، جن چیزوں کو اللہ کا نام لگا ہو اور خاص طور پر اس کی طرف نسبت ہو وہ شعائر اللہ کہلاتی ہیں کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے ان کا ادب و تعظیم کرنا تقویٰ و تواضع کی علامت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب

اللہ کے نبی اعظم شعائر اللہ سے ہیں، الحاصل کہ شیخ جب نائب رسول بھی ہے اور مظہر خدا بھی، اور موصل الی اللہ بھی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا دوست کہا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کو معیت خدا اور قرب خدا حاصل ہے۔ وہ فانی فی اللہ اور

باقی باللہ بھی ہے۔ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے اور دیکھنے والے کو جب خدا کی یاد ہوتی ہے تو اس ذرہ بے مقدار کو رب العالمین کی یاد میں آجانے کا شرف عظیم حاصل ہوتا ہے کیونکہ ارشاد باری عز اسمہ ہے۔

فاذکرونی اذکرکم

تو ایسے شیخ کا دل وجان سے ادب و تعظیم کرنے والا ضرور متقی اور متواضع ہو کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ہوگا اور کوتاہی کرنے والا متکبر اور محروم ہوگا۔

ادب و تعظیم کا مقابل اذیت پہنچانا ہے :

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو بنیت خیر بھی اگر کسی نے تکلیف پہنچادی تو اس کے لیے یہ بھی خطرناک ہے اور اس حدیث پاک سے استدلال فرماتے تھے کہ ایک بار حضرات صحابہ میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفاۃ میں اس امر میں اختلاف ہوا کہ آپ کو دوا پلائی جائے یا نہیں جبکہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر غشی طاری تھی اور آپؐ نے دوا پینے سے انکار فرمادیا تھا اور پھر غشی طاری ہوگئی تھی، بعض صحابہ نے یہ اجتہاد کیا کہ یہ انکار ایسا ہی ہے جیسا کہ مرض کی شدت میں ہر انسان غیر ارادی طور پر غفلت اور بے ہوشی میں دوا پینے سے انکار کر دیتا ہے اور بعض اصحاب نے یہ اجتہاد کیا کہ آپؐ نے جو حکم فرمادیا ہے اسی کی تعمیل ہونی چاہیے۔ عام طبائع پر آپ کو قیاس کرنا صحیح نہیں الغرض غلبہ محبت اور خیر خواہی میں دوا پلانے کی رائے پر عمل کیا گیا، لیکن جب حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کو افاقہ ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو فوراً دوا پلاؤ جنھوں نے ہمیں دوا پلائی ہے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ان لوگوں کو حق تعالےٰ

کسی سزا میں مبتلا نہ فرمادیں (معرفت الہیہ) بخاری شریف میں حدیث قدسی ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کو ستائے میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے، دیگر گناہ کتنے بڑے بڑے ہیں مگر کسی کے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ لڑائی کرنے سے تعبیر نہیں فرمایا سوائے اولیاء کی اذیت اور سود کھانے کے۔

خواجہ عزیزالحسن مجذوبؒ جو پہلے ڈپٹی کلکٹر رہے تھے حضرت حکیم الامتہ سے بیعت ہوکر ڈپٹی کلکٹری کو ناجائز سمجھتے ہوئے استعفادے دیا۔ ان پر جب اپنے مرشد کا مقام کھلا اور ان کے فیض کو دیکھا تو فرمایا کرتے تھے ؎

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے

سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے

امید ہے شیخ کا مقام اور حیثیت اور آداب و رعایت میں مبالغہ کی ضرورت سمجھ میں آگئی ہوگی۔ اب شیخ کے فیض کی حقیقت اور اس کے کام کی عظمت کو بیان کیا جاتا ہے کہ یہ چیز بھی ذہنوں میں مبہم ہونے کی وجہ سے آداب میں لاپرواہی کا باعث بنتی ہے۔

فیض کا مطلب اثر آنا ہے اور فائدہ پہنچنا ہے:

۱ شیخ کا سب سے اہم اور ظاہر فیض وہی ہے جو کہ اولیاء اللہ اور شیخ کامل کی علامت بھی ہے کہ ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی یاد کا پیدا ہوجانا سب سے بڑا فائدہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولذکر اللہ اکبر اور فاذکرونی اذکرکم

یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا سب سے بڑی بات ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ کا بندہ کو

یاد کرنا مرتب ہوتا ہے۔

۲۔ ان کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور دنیا کی محبت ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے جیسا کہ بیہقی کی شعب الایمان میں مرسلاً حضرت حسن سے مروی ہے کہ:۔ حب الدنیا رأس کل خطیئة

۳۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی فکر بڑھتی ہے، یہی چیز ایمان اور تقویٰ کو کامل کرتی ہے۔ انھیں دونوں باتوں میں کمال کا نام ولایت ہے، مندرجہ بالا فیض یعنی مندرجہ بالا تینوں اثرات کے حاصل ہونے کی دلیل تجربہ ہے۔ دو چار روز ہی بیٹھ کر تجربہ کرلو، پھر شیخ کی خاموش مجلس اور اپنے گھر کے ماحول میں اپنی دلی کیفیت کا موازنہ کرلو، اگر کچھ فرق محسوس نہو تو بے شک نہ بیٹھا کرو کیونکہ یہی اثرات تو شیخ کامل کی اولین علامات اور شرائط سے ہیں۔ اگر یہ علامات محسوس نہیں ہوتیں تو یا تو وہ شیخ کامل نہیں ہوگا اور اگر دوسرے معتبر حضرات اس کو شیخ کامل بتلاتے ہیں تو اپنی عدم مناسبت کی وجہ سے آپ کا وہاں نصیب نہ ہوگا کیونکہ دینداروں کی ایک بڑی جماعت کا جھوٹ پر اتفاق کرلینا اور خلاف شرع امر پر اجماع کرلینا عقلاً محال ہے، اور اس جماعت کے کسی فرد کی نیت پر بھی حملہ نہیں کرسکتے۔ زبان قلم کی اور قلم زبان کے شاہد ہیں کہ ہم کو ان مشائخ کی صحبت سے کہ جن کا سلسلہ صحبت آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ باطن میں فقہ اور عقائد کے علاوہ ایک خاص حالت پیدا ہوئی اور یہ فقہ اور عقاید تو ان کی صحبت سے پہلے بھی ہمارے دلوں میں جلوہ گر تھے۔ اس حالت سے خدا اور اس کے دوستوں سے مؤانست، اعمال صالحہ اور توفیق حسنات اور اعتقادات حقہ میں مزید مضبوطی پیدا ہوگئی

اور یہ حالت جو کہ ایک کمال ہے دیگر تمام کمالات کا سبب ہے۔

اسی طرح دینداروں اور سچوں کی ایک جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ ہم اپنے شیخ کی مجلس میں کئی اشکالات اور وساوس لے کر جاتے ہیں، وہاں سوال کئے بغیر ہمارے سوال حل ہو جاتے ہیں اور وساوس دور ہو جاتے ہیں، مجلس میں اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا منافع ہر عام آدمی کو محسوس ہوتے ہیں بشرطیکہ مناسبت ہو اور کوئی خرخشہ یا شیخ سے اعراض نہ ہو، ذاکر، شاغل کو یہی منافع زیادہ محسوس ہوتے ہیں لیکن سب سے زیادہ نفع اہلِ نسبت کو ہوتا ہے جو مذکورہ بالا منافع سے بھی زائد چیزیں ہیں۔

فیوض مشائخ کے قلوب میں منتقل ہونے کی توضیح اور نور کے معنی

اب اشکالات کے جواب میں تھوڑے سے ایہام اور ابہام کو صاف کرنا باقی ہے کہ شیخ کی صحبت سے جو فیض آتا ہے وہ کس طرح منتقل ہوتا ہے۔ نور اور انوارات کیا ہیں؟ ہم کو تو آنکھوں سے کچھ نظر نہیں آتا؟ پہلے یہ سمجھیں کہ یہ چیزیں یعنی فیض انوارات وغیرہ روحانی اور معنوی ہیں، جب تک کسی شکل میں متشکل نہ ہوں اس وقت تک ہمارے ظاہری حواس ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ دنیا کی مادی چیزوں میں بھی بعض چیزیں اتنی لطیف ہیں کہ ہمارے ظاہری حواس ان کو محسوس نہیں کر سکتے، آلات کے ذریعہ حواس کی طاقت بڑھا کر یا اس چیز کا حجم بڑھا کر محسوس کیا جاتا ہے، مثلاً بہت چھوٹے چھوٹے کیڑے جن کو جراثیم کہتے ہیں صرف آنکھ سے دکھائی

نہیں دیتے اور وہ بڑی بڑی بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں اور وہی کیڑے بعض بڑی بڑی بیماریوں کے لیے علاج اور دوا بھی ہیں ان کو دیکھنے والے ماہرین ان کی بہت سی قسمیں اور ان کے مختلف خواص بتلاتے ہیں، اسی طرح بجلی کی رو (کرنٹ) کی تاروں کے اندر موجودگی دکھائی نہیں دیتی۔ کرنٹ اگر لطیف ہو یا اس کا اثر ظاہر ہونے کے اسباب جمع نہ ہوں تو ہاتھ سے چھونے سے کچھ پتہ نہیں چلے گا، مطلب یہ ہے کہ مادی چیزوں کے مدرک ہونے میں حواس کے ضعیف اور قوی ہونے کے فرق سے کسی کو ادراک ہوتا ہے اور دکھائی دیتا ہے، کسی کو نہیں، اسی طرح روحانی اور معنوی چیزوں کا حال ہے کہ یا تو وہ متمثل ہو کر حواس ظاہری سے دکھائی دیں گی یا باطنی قوی حواس والے دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور دیکھنے والے معتبر ماہرین کی خبروں سے مان لیا جاتا ہے۔

فیض کے محسوس ہونے کی محسوس مثال:

صحبت کے فیض کی مثال حضور اقدس صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم نے عطر فروش کی صحبت میں بیٹھنے والے سے دی ہے کہ اس کو خوشبو آتی رہے گی جو نظر تو نہیں آتی مگر مادی ہونے کی وجہ سے دوسرا ظاہری حاسہ ناک اس کو محسوس کرلے گا اگر کسی کی قوت شامہ بند ہو تو محسوس نہیں ہوگی مگر خوشبو آتی تو رہے گی، کچھ عرصہ بعد کپڑوں میں بس جائے گی، دوسرے بھی محسوس کریں گے، جب اپنی ناک کھلے گی تو عطر فروش کی چھوٹی چھوٹی شیشیوں کی قدر معلوم ہوگی، صحبت کے اثرات تو بدیہی ہیں اس کو عام لوگ مانتے اور محسوس کرتے ہیں۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ صحبت کا یہ اثر شیخ کے نورانی قلب سے طالب کے قلب میں نور کے منتقل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ نور مادی نہیں ہے جو ظاہری آنکھ کو دکھائی دے، یہ نور روحانی ہے جو دل کی آنکھ سے

دکھائی دیتا ہے، ہاں کبھی مادی روشنی کی شکل متمثل ہو جائے تو ظاہری آنکھ سے بھی سب ہی دیکھ سکتے ہیں' اس کے وجود کی ایک دلیل تو باطنی آنکھوں والے سچے لوگوں کی خبر ہے، دوسری دلیل الزامی ہے کہ نور جیسے خود ظاہر ہوتا ہے اپنے غیر کو بھی ظاہر کر دیتا ہے اور اس غیر کے ظاہر ہونے پر نور کا وجود سمجھا جاتا ہے جیسے دھوپ کو دیکھ کر آفتاب، اور دھواں کو دیکھ کر آگ کے وجود کو مانا جاتا ہے۔

مادی نور مادی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور معنوی نور معنوی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے معنوی نور کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں، یہ لفظ عام بول چال میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً کسی پوشیدہ بات کے ظاہر ہو جانے پر کہا جاتا ہے کہ "میں تو اندھیرے میں تھا فلاں بات سُن کر میری آنکھیں روشن ہو گئیں، آنکھیں کھل گئیں" فلاں بات کے سمجھ میں آنے سے مجھے روشنی ملی، ایسے موقع پر کہا جاتا ہے جزاک اللہ کہ چشم باز کردی۔

انوار کی مثالیں:

اب سمجھیں کہ دین کا کچھ تو ظاہر ہے اور کچھ ان ظواہر کی حقیقت ہے، اسی حقیقت کو نور کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر "ارشاد الملوک" میں ہے کہ اسلام تو پانچ چیزیں ہیں (ارکان خمسہ) اور حقیقت اسلام ایک نور ہے جو مومنین کے سینہ میں ڈال دیا جاتا ہے، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کا سینہ حق تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اللہ کے نور پر (قائم) ہے۔ اعتقاد، مغیبات (جنت و دوزخ) کے موجود ہونے کے علم کا نام ہے جو قلب میں راسخ ہو جاتا ہے اور حقیقت اعتقاد ایک نور ہے جو قلب میں داخل ہو کر شک و شبہ کو مٹاتا ہے۔ اسی طرح توحید، حق تعالیٰ کی وحدانیت ظاہر کرنے کو کہتے ہیں اور حقیقت توحید ایک نور ہے جس کی وجہ سے خالق کے وجود اور مخلوق

کے عدم کا مشاہدہ (دل کی آنکھ سے) ہوتا ہے، اسی طرح ایمان اور دین کی دیگر باتوں کا حال ہے کہ ایک ان کا محض علم ہے، ایک حقیقت ہے جس کو انوار کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بارے میں فرماتے ہیں "اے نبی ہم نے تم کو نور اور مژدہ سنانے والا، ڈرانے والا، اللہ کی طرف بلانے والا اور چراغِ منیر بنا کر بھیجا ہے۔"

منیر روشن کرنے والے اور دوسروں کو نور دینے والے کو کہتے ہیں پس اگر دوسروں کو روشن کرنا انسان کے لیے محال ہوتا تو ذات پاک صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو بھی یہ کمال حاصل نہ ہوتا، کیونکہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تو اولاد آدم ہی ہیں مگر حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کو اتنا مطہر بنا لیا کہ نور خالص ہو گئے اور حق تعالےٰ نے آپ کو نور فرمایا، اسی طرح صحابۂ کرام کا اس قدر تزکیہ فرمایا کہ وہ بھی نور بن گئے، حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی "اے اللہ میرے سمع اور بصر اور قلب کو نور بنا دے اور خود مجھ کو سراپا نور بنا دے۔"

پس اگر انسان کے نفس کا روشن ہونا محال ہوتا تو حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا نہ فرماتے، کیونکہ محال بات کی دعا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔

اب مقصد سمجھیں کہ اس امر پر اجماع ہے کہ تمام امت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بہتر کوئی نہیں حالانکہ ان کے علم و عمل میں اور بھی شریک ہیں، بلکہ بعض بڑھ کر بھی ہیں، صحابہ کرام کی یہ فضیلت ان کی ایمانی، احسانی، اور حُبّی کیفیت کی وجہ سے ہے نہ کہ محض علم نبوت کی وجہ سے، کیونکہ علوم نبوت غیر صحابہ کو بھی حاصل ہیں۔ صحابہ کرامؓ کو یہ کیفیات صحبت نبوی سے حاصل ہوئی تھیں، کیونکہ انھوں نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم کی صحبت سے انوارِ نبوت کو یعنی حقائق کو اپنے سینوں میں حاصل کیا، علم نبوت کے نقوش تو کتابوں سے لیے جا سکتے ہیں لیکن انوارِ نبوت کا محل کاغذ نہیں بن سکتا، نور کا محل تو مومن کا قلب ہی ہو سکتا ہے، جس طرح علوم نبوت کتابوں سے کتابوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں، اسی طرح انوارِ نبوت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں۔ صحابہ کرام حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے اور ان سے بلا واسطہ حصول فیض کیا، یعنی ان کے دل مشکوٰۃ نبوت سے کاسب نور تھے پھر تابعین نے صحابہ کی صحبت سے یہ انوار حاصل کئے اور آگے سلسلہ چلتا رہا، اولیاء کو یہ نعمت نصیب ہوئی تو صرف اپنے مرشدوں کی صحبت میں بیٹھنے سے اور ان کی خدمت کرنے سے ہوئی، پس اس صحبت اور اس صحبت میں بہت فرق ہے، اسی فرق کی وجہ سے صحابہ کی فضیلت اور غیر صحابہ کی فضیلت میں فرق ہے، اور صحبتوں کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے مشائخ کو احسانی کیفیت کے حصول کے لیے صحبت کے ساتھ اذکار واشغال کا اضافہ بھی کرنا پڑا۔

انوار کے نقل کی سواری:

علوم کے حاصل کرنے اور علوم کے منتقل ہونے کے لیے تو زبان اور قلم کے واسطہ کی ضرورت ہے مگر انوارِ نبوت اور انوارِ ولایت جو ایمانی واحسانی اور حُبّی کیفیات ہیں اور ان ہی کا حصول وجہ فضیلت ہے۔ ان کے نقل ہونے کے لیے بات کرنے اور باتیں سننے کی ضرورت نہیں اور وعظ ونصیحت یا تحریر سے جو فیض پہنچتا ہے اور دل پر جن باتوں کا اثر ہوتا ہے وہ بھی بذریعہ نور ہی ہوتا ہے کہ جو باتیں نورانی قلوب سے نکلتی ہیں ان کے اوپر نور کا لباس ہوتا ہے اور جو باتیں یا تحریر اس نور کے بغیر ظاہر ہوتی ہے وہ خواہ کتنی ہی

اچھی عارفانہ اور ادیبانہ رنگ میں ہوں دل پر ان کا اثر نہیں ہوتا یا اگر ہوتا بھی ہے تو وقتی طور پر ہوتا ہے۔ لہذا انوار کے حصول کا تعلق قلوب سے ہے اور قلوب کا قلوب سے قرب طریقہ اور شرائط کے مطابق شیخ کے پاس بیٹھنے سے حاصل ہوتا ہے، پھر انوار اور فیوض ایک دل سے دوسرے دل میں مخفی راستہ سے آتے رہتے ہیں اور اس مخفی راستہ میں ان کی سواری توجہ اور محبت ہوتی ہے بغیر اس سواری کے یہ مخفی راستہ طے نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو خاصیتیں قلوب میں رکھی ہیں، ان کے نظام کے تحت ان انوار کا حصول ہوتا ہے خواہ نظر آئے یا نہ آئے، کیونکہ نظر آنا کشفی قوت سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

شاید کوئی اس رمز سے آگاہ نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

صحبت کے متعلق شروع میں حضرت مرشدی کا ملفوظ عرض کیا کہ بزرگوں کی صحبت اکسیر ہے بشرطیکہ دل میں کوئی خرخشہ نہ ہو، امید ہے کہ ناظرین کو اب کوئی خرخشہ اور اشکال باقی نہ رہا ہوگا، اس لیے سچی ارادت، عقیدت و آداب اور اہتمام کے ساتھ شیخ کی صحبت مندرجہ ذیل طریقہ سے اختیار کرکے فیوض و برکات سے مالا مال ہوں۔

صحبتِ شیخ کا طریقہ:

یک زماں ہم صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ زہد و اتقاء

اس کو ذکر رابطہ بھی کہتے ہیں۔ یہ طریقہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا

ہے اور بہت آسان ہے، شیخ کی توجہ اور ان کے اخلاص کی برکت سے دل غفلت سے پاک ہوجاتا ہے اور شیخ کی محبت کی کشش سے مشاہدہ الہی کے انوار دل میں چمکنے لگتے ہیں، ان کی موجودگی میں آداب اور طبیعت کی رضامندی، شوق اور ان کی طرف افتقار واحتیاج دل میں رکھتے ہوئے اخذ فیض کا حریص بن کر ان کے مبارک قلب سے فیض آنے کا تصور کرتے ہوئے اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے اور ان کی غیر موجودگی میں ان کے تصور سے فیضیاب ہوتا رہے، اور مجلس میں حاضری اسی وقت دے جب خود شیخ نے مجلس کا وقت دیا ہو، چاہے عمومی، چاہے خصوصی اجازت ہو باقی اوقات میں خصوصًا جب کہ ملاقات سے شیخ کی ادنیٰ گرانی کا بھی اندیشہ ہو اس وقت حاضر نہ ہو، شیخ کی غیر موجودگی میں محبت کے ساتھ دل میں شیخ کو یاد رکھے اور شیخ کی طرف سے اپنے دل میں فیض آنے کا خیال کرتے ہوئے اپنے دل کی طرف متوجہ رہے، عادت اللہ جاری ہے کہ جو اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو فیوض الہیہ اس میں آنے شروع ہوجاتے ہیں لیکن چونکہ اصل مبدأ فیاض باری عز اسمہ کی طرف کامل توجہ کرنے کی بتدی میں استعداد نہیں ہوتی اس لیے شیخ کے واسطہ سے کام آسان ہوجاتا ہے کیونکہ وہ ہم جنس ہے اور ہم جنس سے فی الجملہ مناسبت ہوتی ہی ہے، یہ شیخ کی طرف خیال کرنا بظاہر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے مگر شیخ چونکہ موصل الی اللہ تعالیٰ ہے اس لیے اس کا خیال دراصل اللہ تعالیٰ کا خیال پیدا کرنے والا اور غیر اللہ کے خیال کو مٹانے والا ہے جیسا کہ مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں خلیل آمد خیال یار من
صورتش بت معنیٔ او بت شکن

یعنی شیخ کے خیال کی مثال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

کے قول کی طرح ہے جو انھوں نے چاند کو دیکھ کر فرمایا تھا "ھٰذا ربی" کہ اس قول کا ظاہر تو شرک ہے لیکن حقیقت اس کی شرک کا ابطال تھی۔

صحبت شیخ میں ہر وقت کا حاضر باش:

شیخ کی صحبت میں مندرجہ بالا طریقہ پر متوجہ ہو کر بیٹھنا اور فیض کا تصور کرنا ان ہی حضرات کے لیے ہے جو صرف مخصوص مجلس میں تھوڑی دیر کے لیے حاضری دیں اور مجلس بھی خاموش ہو لیکن اگر کسی کو ہر وقت کی حاضر باشی نصیب ہو تو اس کے لیے اخذ فیض کی صرف نیت ہی کافی ہو جاتی ہے، توجہ کے خصوصی اہتمام کی ضرورت نہیں بلکہ خدمت یا اپنے دیگر معمولات میں مشغول رہے، اسی طرح اگر مجلس میں شیخ کچھ فرما رہے ہوں یا کوئی کتاب وغیرہ سنائی جا رہی ہو تو ان ہی ارشادات کو غور سے سنے کیونکہ "الحکم" میں ہے کہ جو کلام کسی متکلم سے ظاہر ہوتا ہے ضرور اس پر اس (متکلم) کے قلب کا نورانی یا تاریک لباس ہوتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا لہذا شیخ کا کلام سننے سے دل میں نور آئے گا، اسی طرح اگر کسی کو اپنے دل کی طرف متوجہ رہنے اور شیخ کی طرف سے فیض آنے کے تصور کرنے میں بالکل مناسبت نہ ہو اور خیال میں بالکل یکسوئی نہ ہو سکتی ہو اور خاموش بیٹھنے میں دل میں اپنے آپ ہی فضول باتیں شروع کر دے اور دوسری طرف مشغول ہوتا ہو تو ایسے آدمی کو مجلس میں آہستہ آہستہ کوئی سے ذکر میں مشغول ہو جانا چاہیے، خواہ درود شریف کا ورد رکھے اور آج کل اس راستہ کے نئے لوگوں کا اکثر یہی حال ہوتا ہے۔

صحبت کے شروط اور طریقوں کا مطلوب:

اخذ فیض کے مندرجہ بالا طریقے در اصل شیخ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے اور شیخ سے مربوط رہنے کے لیے ہوتے ہیں ان میں اصل چیز محبت ہے، اگر محبت قوی

ہو تو ہر حالت میں شیخ کی طرف توجہ رہے گی کسی بھی خاص طریقہ کی ضرورت نہیں، ؎
محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی

رسالہ "اکابر کا تقوی" میں حضرت مرشدی کا قصہ لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت سہارنپوری (حضرت مرشد پاک کے شیخ) مدرسہ میں اپنی سہ دری میں تشریف فرما ہوتے اور حضرت مرشد پاک کتب خانہ میں مشاغل علمیہ میں انہماک سے مشغول ہوتے، سہ دری کے باہر پہلے صحن ہے، اس کے آخر میں دوسری منزل پر کتب خانہ ہے، حضرت سہارنپوری جب حضرت شیخ کو طلب فرماتے تو مدرسہ کے دربان کو آہستہ سے کہتے کہ اوپر سے مولوی زکریا کو بلا لاؤ وہ پوری بات نہ سن سکنے کی وجہ سے بعض وقت پوچھتا کہ حضرت! کیا فرمایا؟ اتنے میں حضرت مرشد پاک اوپر سے پکار کر جواب دیتے کہ حضرت حاضر ہو رہا ہوں، یہ قصہ بہت دفعہ پیش آتا تھا۔
ارواح ثلثہ میں حضرت گنگوہی کا فرمانا تو یہاں تک لکھا ہے کہ فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔

حدیث پاک میں ہے "المرء مع من احب" کہ آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں تصور شیخ کی حقیقت بھی یہی محبت ہے جس سے فیض آتا ہے اور صوری تصور کرنا کبھی محبت پیدا ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے اس کے علاوہ وہ وساوس وغیرہ کے علاج کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا اصل چیز محبت کو بڑھانے کی فکر کرنا چاہیے جس کے لیے اول قدم تو شیخ کے انتخاب کے وقت تھا کہ اپنی مناسبت والے شیخ سے بیعت ہو، پھر شیخ کے کمالات علمیہ و عملیہ اور ان کے احسانات خصوصًا یہ کہ وہ میرا واحد موصل الی المحبوب الحقیقی ہے وہ میرے ذاکر بننے اور میرے مذکور رب العالمین بننے کا ذریعہ ہے اس کو سوچا کرے۔

شیخ سے تعلق رکھنے میں ایک احتیاط:

جب تک شیخ سے گہری محبت پیدا نہ ہوجائے اس وقت تک اس سے اپنا تعلق صرف اللہ کی جانب کا رکھے اور صرف اسی لائن کے اقوال وافعال اور احوال سے سروکار رکھے باقی دوسری لائنوں کی ان کی خانگی باتوں سے بے تعلق بلکہ بے خبر رہنے کی کوشش کرے کیونکہ یہ ان کا اپنا بشری حصہ ہے (اور شیخ چاہے کتنا ہی بڑا قطب ہو معصوم نہیں ہوتا لامحالہ ان کے درجہ کے لحاظ سے اس میں کچھ کدورتیں ہوسکتی ہیں اور اکثر باتیں گو واقع میں قابل اشکال نہ ہوں مگر مرید بدفہم اور کمزور محبت والے کے لیے قابل اشکال ہونگی اور جب آدمی اپنی توجہ ان کی طرف کو چلائے گا تو بسا اوقات اعتراض پیدا ہوگا جو بُعد اور محرومی کا باعث بن جائے گا۔

فیض شیخ کو باقی رکھنا:

مجلس شیخ میں جو شیخ سے فیض حاصل ہوا اس کو باقی رکھنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک قلت مخالطت مع الانام، دوسرے معمولات کی پابندی۔

(تربیت السالک)

صحبت شیخ کا کامل اثر حاصل کرنے کے لیے ذکر اللہ کا بیان:

صحبت شیخ کا کامل اور دیرپا اثر ان ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو شیخ کے بتلائے ہوئے ذکر کی پابندی کرتے ہیں، ذکر کے انوار سے شیخ کے انوار حسنہ، انوار فہم و معرفت کو جذب کرنے کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے، کیونکہ یہ سلوک کے اذکار قلب کی صفائی ہی کے لیے تجویز ہوئے ہیں، اسی لیے مختلف اذکار کے فضائل کتابوں سے

دیکھ کر کوئی سا ذکر خود نہیں تجویز کیا جاتا، بلکہ یہ کام شیخ کی تجویز اور تلقین پر موقوف کیا گیا ہے ان میں اسی علاج اور تزکیہ کی غرض سے ضرب و جہر، ہیئت و حرکت اور یکسوئی وغیرہ کے شرائط مقرر ہوئے ورنہ تو ذکر کرنے کے ثواب میں ان شرائط کو براہ راست کوئی دخل نہیں، ہاں ایک مقصد عظیم کے معاون اور ذریعہ بننے کی وجہ سے ان شرائط کا بھی ثواب ہے۔

ذکر سے صحبت شیخ کا کامل فائدہ ہونے کی توضیح:

یہ بات ظاہر ہے کہ شیشۂ قلب جتنا صاف ہوگا اس میں شیخ کے قلبی نور کا انعکاس زیادہ ہوگا اور انوار زیادہ آویں گے، پھر آکر واپس نہیں جاویں گے، بلکہ ٹھہر جاویں گے۔ دوسرے یہ کہ قلب کی صفائی کرنے کا مطلب غیر خدا کے خیالات اور محبتوں اور تعلقات کو نکالنا ہے "الحکم" میں ہے جب (شیخ کی صحبت کی تاثیر اور اس کی محبت و تعلق کی وجہ سے) ظاہر قلب کے اندر کچھ اشراق پیدا ہوا اور فی الجملہ استعداد و انعکاس انوار کی ہوتی ہے اور (انوار غیبیہ سے ایسے قلب کا تقابل ہوتا ہے تو مقابل قلب میں انوار آتے ہیں لیکن قلب کے اندرونی حصہ میں گاؤخر یعنی دنیا کی چیزیں بھری ہوئی ہوتی ہیں اس لیے وہ قلب ان انوار کو سما نہیں سکتا، پس وہ انوار جہاں سے آتے ہیں وہاں ہی واپس ہو جاتے ہیں، لہذا صفائی قلب کے ایسے اذکار بھی ضروری ہیں، جسمانی مفید ادویہ کا بھی یہی حال ہے کہ ایک چیز خواہ کتنی ہی مفید ہو اور قیمتی ہو اس کا کامل اثر اسی وقت ہوتا ہے جبکہ اس کی معاون اور بدرقہ اشیاء کا استعمال بھی کیا جائے اور مخالف غذا سے بھی پرہیز کیا جائے؛ لہذا اب خیال و تصور سے ذکر کرنے کو بیان کیا جاتا ہے بعد میں پرہیز اور محظورات کا

بیان ہوگا ذکر سے پیدا شدہ کیفیت عشقی کے آثار و ثمرات اور ذکر سے عشق پیدا ہونے کی توضیح کا مفصل بیان رسالہ "محبت" میں ضرور مطالعہ کرلیا جائے، یہاں صرف ذکر کا طریقہ لکھا جاتا ہے۔

ذکر سے پہلے دو اہم باتیں، ایک ذکر کی تلقین، دوسری توحید مطلب:

ذکر کی تجویز میں طالب اپنی رائے سے کچھ نہ کرے، چاہے وہ کتنا ہی ذہین اور علوم کا ماہر ہو کہ خود رائی طریق کے مسلّمہ مہلکات میں سے ہے اور شیخ کی تلقین کی برکت اور اثر ہی جدا ہے، "ارشاد" میں ہے خود ذکر ایسے صاحب اجازت شیخ سے اخذ کیا جائے جس کا سلسلۂ اخذ و اجازت فخر عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلّم تک مسلسل ہو، وہ تحقیقی ذکر ہے، یہی ذکر مرید کے باطن میں تصرف کرتا ہے اور اسکو ولایت اور قرب کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے ورنہ سنا سنایا ہوا ذکر اور کتابوں سے دیکھا ہوا ذکر تقلیدی کہلاتا ہے جس کا وہ اثر نہیں اور اس کی دلیل تجربہ ہے۔

دوسری بات **توحید مطلب کا بیان** توحید مطلب کی غیر معمولی اہمیت کیوں ہے؟

شیخ کے آداب کی غیر معمولی اہمیت میں جو اشکالات تھے وہ اور ان کے جواب "صحبت شیخ" سے پہلے عرض کر دیے گئے ہیں، اسی طرح اصلاح باطن، اور تحصیل نسبت کے لیے سلوک کے اذکار میں داخل ہونے کے مرحلہ سے پہلے ایک شرط توحید مطلب ہے، اس کی غیر معمولی اہمیت پر بھی اطمینان قلبی ہونا ضروری ہے آداب شیخ میں اشکالات تو اکثر کبر اور حقیقت شیخ اور حقیقت فیض سے ناواقفیت

کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن توحید مطلب میں کمزوری کی وجہ نیک نیتی سے اپنی ترقی کا شوق اور حرص بھی ہوتی ہے، اس لیے توحید مطلب کی ضرورت کو سمجھنے کے لیے کچھ غور و فکر کی ضرورت ہے، جیسا کہ شریعت کے ظاہری احکام پر عمل کرنے کے لیے تقلید کی ضرورت تو بدیہی ہے اور انکار کرنا خلاف عقل اور ہٹ دھرمی ہے لیکن تقلید شخصی کی ضرورت کا منکر بعض دفعہ نیک نیت ہوتا ہے، لیکن جہالت اور کم علمی کی وجہ سے ہوائے نفس میں مبتلا اور کامل اتباع سنت سے محروم رہتا ہے اس کو سمجھنے کے لیے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔

بات سمجھنے سے پہلے یہ چیز ذہن میں رکھیں کہ توحید مطلب پر اس فن کی کتب میں بالاتفاق جو اتنا مبالغہ کیا جاتا ہے تو اس میں ضرور کوئی راز ہوگا جس کو سمجھنے کے لیے ذہن میں گنجائش ہونا چاہیئے۔ چنانچہ "ارشاد" میں ہے کہ توحید مطلب اسکو کہتے ہیں کہ اپنے شیخ کے متعلق اس کا یقین رکھے کہ دنیا میں اس کے علاوہ مجھ کو مطلوب تک کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ گو اس زمانہ میں دوسرے مشائخ بھی ہوں اور ان ہی اوصاف کاملہ سے متصف بھی ہوں مگر میرا منزل مقصود پر پہنچنا اسی ایک کی بدولت ہوگا، سو توحید مطلب سلوک کا بڑا رکن ہے اور جس کو یہ حاصل نہ ہوگا، وہ پراگندہ و پریشان اور ہرجائی بنا پھرے گا اور کسی جنگل میں بھٹکتا ہوا کیوں نہ ہلاک ہوجائے، حق تعالیٰ کو بھی اس کی مطلق پرواہ نہ ہوگی، پس مشائخ زمانہ میں ہر شخص کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ بھی میری پیاس بجھا کر مطلب تک پہنچا سکتا ہے سلوک کے لیئے مُضر ہے، بلکہ جس طرح حق ایک قبلہ ایک ہے اسی طرح راہبر اور شیخ بھی ایک ہی کو سمجھے، ورنہ بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور اسی پراگندگی میں بہتیرے تباہ

ہوگئے (یہ تباہی خود بندہ راقم السطور کی دید اور شنید میں بھی آئی ہے) سو اگر اس کا وسوسہ بھی آیا کہ عالم میں شیخ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی مجھ کو مطلب پر پہنچا سکتا ہے تو ضرور شیطان اس پر قبضہ جمالے گا پھر لغزش میں ڈال دے گا اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان کسی پیر کی صورت بن کر آئے گا اور (چونکہ اس کا ضعیف قلب ہر شیخ کی طرف راہبری کا یقین کر لیتا ہے، اس لیے شیطان کو پیر بنا ہوا دیکھ کر اس کی طرف بھی جھکے گا اور وہ اس پر اپنا رنگ جما کر ایسا تسلّط کرے گا کہ پھر چھٹکارا مشکل ہوگا) غرض اس کو تباہ کر دے گا اور ایسے شعبدے دکھائے گا کہ اس کا عقیدہ باطل پر جما دے گا اور توحید مطلب حاصل ہونے پر شیطان کو راہ نہیں ملتی۔

(آگے شیطان کے اس شیخ کی صورت نہ بن سکنے کے دلائل ہیں جس کے متعلق مرید کو توحید مطلب حاصل ہو)

اب توحید مطلب کے ضروری ہونے کے راز کو عقلی طور پر سمجھیں، انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ تمثیل کے ساتھ مضمون اچھی طرح سمجھ لیتا ہے، بعض بزرگ توحید مطلب کے خلاف کرنے میں میاں بیوی کی مثال دیتے ہیں کہ کوئی عورت خواہ کتنی نیک ہو اپنے خاوند کے سوا اگر کسی دوسرے کو دیکھے تو وہ بدکار کہلاتی ہے خاوند کی نظر سے گر جاتی ہے، اس عورت کا یہ کہنا صحیح نہیں ہوتا کہ جس کو میں دیکھ رہی ہوں وہ میرے خاوند سے زیادہ بزرگ، زیادہ باکمال اور احسان کرنے والا ہے بلکہ وہ میرے خاوند کا بھی محبوب اور محسن ہے، کیونکہ اس تعلق نکاح کی نوعیت اور مقصد ہی یہ ہے کہ ہرجائی پن کے نقصانات سے بچ کر تعلق کی خصوصیت قائم رہے، اس میں کمزوری دکھانے سے عورت بدکار کہلاتی ہے اور خاوند کی نظر سے

گر جاتی ہے، اسی طرح روحانی تعلق میں ایک عبد و معبود کا تعلق ہے، اپنے معبود کو
ایک ماننے والا موحد اور مسلمان کہلاتا ہے، اگر وہ اپنی عبادت میں کسی دوسرے کو
بھی تھوڑا سا شریک کرلے تو مشرک اور مردود ہو جاتا ہے، چاہے وہ شریک معبود کی کتنی
ہی محبوب و مقرب ہستی ہو، اسی طرح روحانی تعلق میں ایک تعلق پیر اور مرید کا ہے
اس پیری مریدی میں کسی دوسرے پیر کو ذرا سا بھی شریک کرنا مردود طریقت بنا دیتا
ہے، چنانچہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہرجائی ہونے سے نقصان
ہے، اگرچہ ظاہر میں فائدہ معلوم ہو وہ عارضی ہوتا ہے اور باطن میں نسبت قطع
کرنے کا خوف ہوتا ہے (مکتوبات امدادیہ)

یہ سب اس وجہ سے ہے کہ فیض جتنا لطیف ہوگا اس کے آنے میں ذرا سی
مزاحمت مانع ہو جاتی ہے۔ مادیات میں اس کی مثال بجلی کے رو (کرنٹ) کی ہے
بجلی کے پنکھے کو ہلکا اور تیز کرنے کے لیے جس تار میں بجلی کی رو (کرنٹ آرہی ہو اسکو
کم کرنے یا بالکل بند کرنے کے لیے رو کے بیچ میں مختلف درجوں کی مزاحمت والی
چیز (RESITENCE) لگا دیتے ہیں اور جہاں کرنٹ بہت لطیف ہو کہ ہاتھ لگانے
سے محسوس نہ ہو وہاں بہت خفیف سی مزاحمت کرنٹ کو بند کر دیتی ہے، حتیٰ کہ اب
ایسی مشینیں تیار ہو گئی ہیں جن میں بجلی کے بہت ہی لطیف اثرات سے کام لیا
جاتا ہے اور ان کے اثر کو روکنے کے لیے مزاحم اشیاء کا کرنٹ کے اندر داخل ہونا
بھی ضروری نہیں بلکہ دور فاصلہ ہی سے مزاحمت اپنا اثر کرتی ہے حتیٰ کہ گرمی سردی
کے اثر سے بھی کرنٹ بند ہو جاتی ہے۔ بعض مشینوں پر تو آواز تک کا اثر پڑتا ہے
جب مادی فیض کا یہ حال ہے تو روحانی فیض کی لطافت و نزاکت اسی پر قیاس کرلو

گزشتہ اوراق میں شیخ کے آداب میں جو لکھا کہ پیر پر اپنا سایہ بھی نہ پڑنے دے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ سایہ پڑنے سے ایک خفیف سی الجھن ہوتی ہے وہی مانع فیض روحانی ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک ادب یہ ہے کہ شیخ کی مجلس میں نفل نماز نہ پڑھے حالانکہ یہ کتنی بڑی عبادت ہے لیکن نماز میں مشغولی سے ظاہری روگردانی کی صورت ہوتی ہے۔ اگرچہ شیخ سے یہ روگردانی شرعی طور پر ضروری ہے لیکن شیخ کے فیض سے مانع تو ہو جائے گی، جیسے حضرت اویس قرنیؒ اپنی والدہ کی خدمت گزاری کے عذر کی وجہ سے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضری نہ دے سکے تھے تو گو وہ سیّدالاولیا اور خیرالتابعین بن گئے لیکن صحابیت کے شرف سے تو محروم رہے حالانکہ ان کا عذر شرعی تھا اسی طرح اس راستہ میں غیر اختیاری امر بھی مانع ہو جاتا ہے، چنانچہ میاں جی نور محمد صاحب قدس سرہٗ جو کہ سیّدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب کے پیر تھے ان کا واقعہ بہت عبرت انگیز ہے جو حضرت گنگوہیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ تفسیر سورۂ یوسف منظوم کے مصنف جن کا نام اشرف تھا وہ حضرت میاں جی صاحب کی شان میں کچھ گستاخانہ الفاظ کہا کرتے تھے پھر ان کو تنبہ ہوا، توبہ کی اور حضرت میاں جی صاحب سے بیعت کی درخواست کی، بیعت کرلیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد تنہائی میں ان سے فرمایا کہ میاں اشرف! اس طریق کی بنیاد اخلاص پر ہے اس لیے تم سے بات چھپانا نہیں چاہتا۔ بات یہ ہے کہ میں جب بغرض افاضہ تمھاری طرف متوجہ ہوتا ہوں تو تمھارے سب کلمات جو تم نے پہلے کہے تھے میرے سامنے آکر حائل ہو جاتے ہیں، ہر چند تمھیں نفع پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس کی صورت نہیں بنتی، اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم کسی اور شیخ سے بیعت ہو جاؤ میں بھی تمھاری سفارش کروں گا۔

اس واقعہ کو یہاں نقل کرنے کا مقصد فیض آنے میں غیر اختیاری مزاحمت کا ایک اثر بیان کرنا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ظاہری تعلیم اور افہام و تفہیم سے جو چیز دوسرے سے حاصل ہوتی ہے وہ علم ہے، اس کے حصول کا ذریعہ زبان ہے لیکن حقائق کے انوار اور قلبی کیفیات جو ایک دل سے دوسرے دل میں آتی ہیں اس کی شرط جس طرح محبّت ہے اسی طرح یکسوئی کا ہونا بھی ضروری ہے، اس میں باہمی توجہ اور التفات تام کو بڑا دخل ہے۔ مرید کے دوسری طرف توجّہ کرنے سے قدرتی طور پر شیخ کے التفات تام میں تھوڑی سی کمی ضرور آجاتی ہے اور اس کمی کے آنے میں شیخ کو اختیار بھی نہیں ہوتا کہ یہ ایک طبعی بات ہے۔ یہاں ایک نکتہ اور بھی ملحوظ رکھیں کہ یہ اولیاء اللہ متخلق باخلاق اللہ ہوتے ہیں۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے جو لمبی دعائیں منقول ہیں ان میں رحمتِ خداوندی کو اپنے حال اور اپنی احتیاج پر متوجہ کرنے کے لیے کس کس طرح سے حمد و ثنا کے بعد صرف مالک ہی پر توکل کا اظہار کیا جاتا ہے مثلاً ایک دعا میں ہے۔ انت ترحمنی، فارحمنی رحمة تغنینی بھا عن رحمة من سواک یعنی تو ہی مجھ پر رحم فرمائے گا، تو مجھ پر ایسی رحمت فرما کہ تیرے سوا مجھے کسی دوسرے کی مہربانی کی ضرورت نہ رہے، اور کئی دعاؤں میں لا یغفر الذنوب الاّ انت کہا جاتا ہے، جب کسی کی دلی کیفیت بھی یہی ہوتی ہے تو دعا ضرور قبول ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ جب کسی خادم کا یہ حال دیکھتا ہے کہ یہ بے چارہ میرے ذریعہ کے علاوہ کسی اور کی طرف نہیں دیکھتا مجھ پر ہی طلب کی نظر جمائے ہوئے ہے اور ہدایت عطا کرنا میرے اختیار میں نہیں اس لیے وہ دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ

سے چاہتا ہے کہ یہ نوازدیا جائے، اللہ کریم اس کی اصلاح فرمادیں، یہی بات شیخ کا توجہ کرنا کہلاتی ہے جس کی اہمیت اس راستہ میں بہت مشہور و معروف ہے، مشائخ کے قلوب کو حق تعالیٰ سے وابستگی ہوتی ہے ان کے قلوب بمنزلہ عرش کے ہوتے ہیں وہ محل نظر و تجلیات خداوندی ہوتے ہیں اس لیے اولیاء کے افکار کی رسائی دربار خداوندی میں ہوتی ہے، ان کے مبارک قلوب میں جس خوش قسمت کا خیال اور فکر آجاتا ہے یعنی وہ جس پر توجہ فرماتے ہیں وہ منجانب اللہ نوازدیا جاتا ہے، عالم اسباب میں اگر اس کی ہدایت واصلاح کے لیے کسی ظاہری تدبیر و علاج کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کا شیخ کے قلب میں القاء کر دیا جاتا ہے جس کو شیخ اپنی زبان سے ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ تعلیم چونکہ الہامی ہوتی ہے اس لیے یہ مؤثر بھی ہوتی ہے، بشرطیکہ مرید بھی اس کو قبول کرنے کے لیے متوجہ ہو اور یہ معاملہ اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے ذریعہ عمل میں نہیں آتا، کیونکہ شیخ تو اپنے مرید کے لیے مظہر ہدایت ہے اور ہادی واحد کا مظہر بھی واحد ہی ہونا چاہیے۔ اس لیے فیوض ربانی کا واحد ذریعہ شیخ ہی ہوتا ہے۔ اگر کبھی دوسری جگہ سے بھی کچھ مل جائے تو وہ بھی شیخ ہی کے تعلق کی برکت کی وجہ سے ملتا ہے، اس کے برعکس جس طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں سب گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے مگر شرک و کبر کی بلا توبہ معافی کو اس کی غیرت گوارا نہیں کرتی، اسی طرح اللہ والوں کی غیرت اس غلطی کو برداشت نہیں کرتی بلکہ یہاں تو بعض وقت توبہ کے بعد بھی شیخ کے قلب پر غیر اختیاری تکدر باقی رہ جاتا ہے جو نقصان کا باعث بنتا ہے۔

مندرجہ بالا باتیں فیض شیخ کے بارے میں ذرا دقیق ہیں، زبانی تعلیم و تربیت

میں توحید مطلب کی ضرورت کی مثال عام فہم ہو سکتی ہے وہ جسمانی معالجہ کی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک حکیم یا ڈاکٹر سے مرض تشخیص کرائے، دوسرے سے دوا تجویز کرائے پھر تیسرے سے پرہیز پوچھ لے، ظاہر ہے کہ اس مریض کا یہ طریقہ ہلاکت کا باعث ہو گا کیونکہ ایک مقررہ معالج تو مریض کے مزاج، قوت اور اپنی دوا کے اثرات وغیرہ تمام حالات سے واقف ہوتا ہے، دوسرے نئے معالج خواہ کتنے ماہر ہوں وہ واقف نہیں ہوتے دوسرے یہ کہ کوئی حکیم ڈاکٹر خواہ کتنا ہی مخلص ہو دوست اور ممنون احسان ہو ہرجائی مریض کی طرف قلبی توجہ نہیں کر سکتا، اس لیے امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں حضرت جنید بھی ہوں اور حضرت حاجی صاحب بھی ہوں تو ہم حضرت جنید کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ؎

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
مجھ کو تو تم پسند ہو، اپنی نظر کو کیا کروں

بندہ نے اس مسئلہ میں زیادہ طول اس وجہ سے دیا کہ اس کی خرابیوں کا خود اپنی ذات پر تجربہ ہوا اور دوسروں کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور سنا ہے، اپنے ہی زمانہ کے بہت سے اعلیٰ استعداد رکھنے والے جن کے نام ظاہر کرنا مناسب نہیں، ان کو پریشان ہوتے یا اپنی استعداد کے موافق ترقی سے محروم ہوتے اور بعض کو گمراہ ہوتے دیکھا ہے۔

مشائخ کے توحید مطلب کی خلاف ورزی پر صاف صاف تنبیہ:

دوسرے یہ کہ اس مسئلہ میں کوئی شیخ خواہ کتنا ہی حساس ہو مگر غیرت اور

حقیقی تواضع کی وجہ سے وہ اپنے عام مرید کو اس غلطی پر متنبہ بھی نہیں کرسکتا اور مخلص مرید کو تنبیہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، کیونکہ وہ شیخ کے لطیف اشاروں کو سمجھ لیتا ہے، ورنہ اکثر مشائخ کے یہاں یہ دیکھا ہے کہ وہ مرید کی اس غلط کاری کی پرزور تائید فرماتے ہیں اور مرید اپنی حماقت سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ شیخ اس بات پر راضی ہیں لیکن اس صورت حال کی حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات دل سے اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے۔ اگر کسی مرید میں ترقی دیکھتے ہیں تو اس کو مرید کے حسنِ عقیدت ہی کا ثمر خیال فرماتے ہیں، اور اس میں کمی کی صورت میں اپنے سے پلٹائے رکھنا فضول سمجھتے ہیں، اسی طرح بعض مرید خصوصاً طلبہ قسم کے لوگ اپنے شیخ کے تجویز فرمودہ معمولات جو اکثر صفائی قلب اور علاج کے لیے ہوتے ہیں تاکہ فضائل کے حصول کی استعداد ہوجائے ، ان کی پابندی میں تولا پرواہی کرتے ہیں اور دیگر اذکار و اعمال جن کے فضائل منصوص ہیں ان کو اختیار کرلیتے ہیں، ظاہر ہے کہ جس عمل کی فضیلت حدیث پاک میں آئی ہو اس کی فضیلت کا انکار کون کرسکتا ہے، جب کسی سے پوچھا جائے گا، یہی جواب ہوگا کہ بہت اچھا ہے، اللہ مبارک کرے لیکن اپنا علاج چاہنے والے کے لیے یہ ناکامی کا راستہ ہے اور جس نے اپنے کو تندرست یا اصلاح و علاج کے طریقوں کا واقف سمجھ لیا ہو اس کو کسی شیخ کی ضرورت نہیں ؎

فکر خود، رائے خود، در عالم رندی چیزے نیست
کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

یعنی عالم عاشقی میں اپنی رائے اور فکر کچھ بھی نہیں۔ اس راستہ میں خود بینی اور خود رائی کفر (طریقت) ہے۔

دراصل یہ حضرات مشائخ حقہ بندگی کے اوصاف میں کامل طور پر قائم ہوتے ہیں، تواضع اور اپنا لاشئ ہونا محض عقلی اور علمی طور پر ان کے پیش نظر نہیں ہوتا وہ اپنے کو متواضع بھی نہیں سمجھتے بلکہ تواضع اور اپنے کو کچھ نہ سمجھنا ان کا حال ہوتا ہے، اسی لیے باوجودیکہ وہ جانتے ہیں کہ اولیار کی اہانت وایذا سے بندہ پر غضب الٰہی ٹوٹ پڑتا ہے اور معرفت سلب ہو کر برے خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ یہ معاملہ اپنے کسی بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ بھی نہیں چاہتے لیکن جب کوئی ان کو تکلیف پہنچاتا ہے اور ان کی آبروریزی کرتا ہے تو وہ اپنے کو بے حیثیت سمجھتے ہوئے کبھی اس کا وہم وگمان بھی نہیں کرتے کہ ہماری وجہ سے ہمارے مخالف پر کوئی مصیبت آجائے گی اس لیے نہ کبھی بددعا دیتے ہیں نہ بدلہ لیتے ہیں بلکہ اس کی ہدایت کی دعا کرتے ہیں، ہاں جب کبھی عذاب آنا ان کو مکشوف ہوجاتا ہے تو مخالف کی خیرخواہی کے جذبہ سے فوراً انتقام لینے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ انتقامِ خداوندی سے بچ جائے مگر کشف ایک تو بزرگی کے لوازمات میں سے نہیں، لہٰذا وہ اپنی صفات حمیدہ، بردباری، حلم وتواضع کی وجہ سے اپنے مخالف کو ہمیشہ دعا رہی دیتے ہیں، اسی طرح توحید مطلب کی خلاف ورزی کے بدنتائج کو جانتے ہوئے غیرت وتواضع کے حال کی وجہ سے اپنے معاملہ میں اپنے مرید کو تنبیہ نہیں کرسکتے، ہاں جہاں اپنی ذات کا مسئلہ نہ ہو وہاں اس اصول کو خوب بیان کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ اوراق میں اولیار کے ملفوظات گزر چکے اور صاف صاف ٹوک دینے میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا اکثر بے وقوف مرید اس کو شیخ کی نفسانیت پر محمول کرکے تباہ ہوتا ہے۔

جملہ مذکورہ امور کے بارے میں یہ ملحوظ رہے کہ یہ سب باتیں صرف بیعت سلوک کرنے والے اور حصول قرب کے لیے سلوک کے اذکار اختیار کرنے والوں کے لیے ہیں، دیگر حضرات پابند نہیں، اس کی تفصیل رسالہ "محبت" میں "سلوک کے تین مراحل" کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

توحید مطلب کے ساتھ دوسرے مشائخ کے پاس جانا:

اگر خود شیخ ہی اپنے کسی مرید کو کسی دوسرے شیخ یا اپنے کسی خلیفہ کے سپرد کردے تو یہ توحید مطلب کے بالکل خلاف نہیں ہوگا، اسی طرح اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے مشائخ کی صرف زیارت کرنا ان سے دعائیں لینا بھی خلاف نہیں، اسی طرح اپنے شیخ کے ہم مسلک ہم مذاق اور شیخ کے عقیدت مند دیگر مشائخ کی صحبت میں برکت کے لیے بیٹھنا بھی مفید ہے بشرطیکہ ان سے اپنی اصلاح و تربیت کے بارے میں کوئی سوال نہ کرے اور ایسی طلب نہ رکھے اور جو فیض صحبت محسوس کرے اس کو اپنے ہی شیخ کی طرف سے سمجھے جس کے آنے کا باعث دوسرے بزرگ کی برکت ہو سکتی ہے، جیسا کہ مسجد وغیرہ متبرک مقام اور متبرک اوقات میں فیضان بڑھ جایا کرتا ہے۔

وحدت مطلب کی اہمیت میں قطب ربانی الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ:

الدر المنضود ص۶۵ عہد ۱۱ فرمایا (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم کسی طالب سے اس وقت تک اپنی نیک تعلیم کے سننے اور تابعداری کرنے کا عہد نہ لیا کریں جب تک کہ اس کو ہمارے ساتھ ایسی محبت نہ ہو جائے کہ ہمارے اوپر بیوی بچوں میں سے کسی کو

مقدم نہ کرے، بوجہ نائب رسول سمجھنے کے مستقلاً نہیں، کیونکہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس بات کو نہ جان لیتے کہ محبت ناصح کو جلد ہدایت حاصل ہونے میں بہت زیادہ دخل ہے تو آپ یہ ارشاد نہ فرماتے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے بیوی بچوں اور تمام آدمیوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اس امت میں جو لوگ اللہ کی طرف بلانے والے ہیں وہ سب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ پس بوجہ وارث ہونے کے ان کے ساتھ بھی ادب اور محبت وہی ہونی چاہیے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ضروری ہے تاکہ مرید میں عبدیت کامل ہو جائے اور اس کو اپنے شیخ کے بارے میں یہ اعتقاد کرنا چاہیے کہ وہ اس کے نفس سے زیادہ اس پر شفیق ہے جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے ساتھ ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق ہے، خوب سمجھو، اور جب شیخ کو مرید کی طرف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسرے کو محبت میں اس پر مقدم کرتا ہے تو وہ ہاتھ جھاڑ کر اس مرید سے الگ ہو جاتا ہے۔

شیخ عارف باللہ عدی بن مسافر جو کہ اس طریق کے ایک رکن اعظم ہیں فرماتے ہیں کہ تم کسی شیخ سے ہرگز کچھ نفع نہیں حاصل کر سکتے، جب تک کہ تمہارا اعتقاد اس کے بلکہ اس کے ہم جنسوں کے بارے میں ہر اعتقاد سے بڑھا ہوا نہ ہو، اس وقت وہ تمہارے دل کو اپنے سامنے مجتمع اور اپنے کو غیبت میں محفوظ رکھے گا اور تم کو اپنے اخلاق کے ساتھ مہذب بنا دے گا اور مراقبہ و توجہ سے تم کو ادب سکھلائے گا اور اپنے نور باطن سے تمہارے باطن کو منور کر دے گا اور جب تمہارا اعتقاد اس کے بارے میں کمزور اور سست

ہوگا تو تم ان باتوں میں سے اس میں ایک بھی نہ پاؤگے بلکہ خود تمھارے باطن کی ظلمت منعکس ہوکر تم کو مشاہدہ ہوگی کہ تم اپنے صفات کو شیخ کی صفات سمجھوگے، پھر تمھیں اس سے کچھ بھی نفع نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ درجہ کے اعتبار سے بہت ہی بڑے اولیاء میں کیوں نہ ہو۔ سیدی علی بن وفا کے کلام میں ہے کہ یہ بات جان لینی چاہیے کہ اہل اللہ کے دل پہاڑوں کے مانند ہیں، سو جس طرح پہاڑ کو سوائے شرک باللہ کے کوئی چیز انکی جگہ سے نہیں ہٹا سکتی، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وتخر الجبال هدًّا ان دعوا للرحمٰن ولدا کہ پہاڑ ٹوٹ کر اس بات سے گر پڑتے ہیں کہ لوگوں نے اللہ کے لیے اولاد بنالی۔ اسی طرح ولی کے دل کو اس کی جگہ سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی سوا اس کے کہ اس کا مرید اس کے ساتھ کسی کو محبت میں شریک کرے۔ یہی بات اس کو اپنی جگہ سے ہٹاتی ہے نہ کہ خدمت میں کوتاہی کرنا۔ خوب سمجھ جاؤ۔ پھر یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ مشائخ جو مرید سے اپنی تعظیم و تکریم کا اور ہر حکم پر راضی ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ سب باتیں صرف مرید کے پختہ کرنے کی اور اس کی ترقی چاہنے کے لیے کرتے ہیں۔ کیونکہ شیخ ترقی کا زینہ ہے۔

جیسا کہ مقصد تحریر میں وعدہ کیا تھا، اب تک اس ساری تحریر میں کوئی بات محنت مشقت کی نہیں آئی صرف غور سے پڑھ کر فیصلہ کرنا اور اپنے ذہن کو صاف کرنا ہے، اس کے بعد ذکر شغل کا تھوڑا سا کام ہے۔ ذکر شغل کے بھی بہت سے طریقے اور بڑی بڑی مقداریں ہیں، لیکن یہاں پر ایسے اذکار بیان ہوں گے جو صرف خیال اور تصور ہی سے کرتے ہیں اور مذکورہ ساری باتوں کے لحاظ کے ساتھ۔ یہی

معمولی اور آسان اشغال کافی ہو جائیں گے۔

شغل اسم ذات کا طریقہ:

روزانہ صبح کی نماز کے بعد اگر ہو سکے تو تہجد کے بعد خالی جگہ بیٹھ کر اول زبان کو تالو سے لگائے تا کہ حرکت نہ کرے پھر اپنے دل کی طرف متوجہ ہو جو کہ بائیں پستان کے نیچے واقع ہے جہاں ہر وقت دھڑکن محسوس ہوا کرتی ہے، اب یہ تصور باندھے کہ میرے دل سے لفظ مبارک اللہ نہایت عاشقانہ بے چینی کے ساتھ زبان کو حرکت دیے بغیر تصور میں ادا کرے، کیونکہ قلب کا مقصود اور محبوب حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے وہ بے چین ہو کر اس کو یاد کر رہا ہے "من احب شیئاً اکثر ذکرہ" پس اس قلبی تلفظ یعنی اللہ اللہ ہونے کا تصور کرے، یہ کوئی مشکل بات نہیں، ہر انسان بغیر زبان ہلائے اکثر چیزوں کی گنتی وغیرہ کرتا ہی رہتا ہے اور دل میں کئی باتوں کو یاد رکھنے کے لیے بار بار خیال میں لا کر اس کو پختہ کر لیتا ہے۔ اس آسان سی بات کو ذکر شغل کی اصطلاحات کی وجہ سے دشوار نہ سمجھا جائے۔ بس اس میں ذرا دل کی طرف خیال رکھنا ہے کہ یہاں سے ہو رہا ہے اس قلبی تلفظ کو تسبیح ہاتھ میں لے کر شمار بھی کرتا رہے۔ اگر تسبیح رکھنے میں کوئی مانع ہو تو چند بار تسبیح کرنے کے بعد وقت کا اندازہ کر لے۔

جب ایک دو روز میں باقاعدہ تصور ہونا شروع ہو جائے گا تو ایک بات کا مزید لحاظ رکھنا شروع کرے کہ اسم مبارک کو ذات پاک سے الگ نہ جانے اور حقیقت میں بھی الگ نہیں اسم کا خیال آنے سے مسمّٰی کی طرف خود ہی خیال چلا جایا کرتا ہے مگر یہاں ذات پاک چونکہ ایسی ذات ہے جو شکل و صورت سے پاک اور عقل

وفہم کے ادراک سے بالا ہے لیکن اسم مبارک میں اس کی تجلی ضرور ہے اس لیے تھوڑی سی توجہ اور قصد سے اس کی طرف دھیان ہو سکتا ہے، جس طرح اسم مبارک کا تصور کرتے وقت یہ خیال کیا کہ یہ تصور دل سے ہو رہا ہے اس کے ساتھ یہ خیال بھی کرے کہ دل ذات پاک کی طرف متوجہ ہے یعنی اس لفظ مبارک کے مسمّٰی کو یاد کر رہا ہے، اگر شروع میں ذات پاک کی طرف دھیان کرنے میں دشواری ہو تو تشویش میں نہ پڑے سادے طریقہ سے کرتا رہے چند روز کے بعد دھیان ہونا خود ہی شروع ہو جائے گا، پھر قصداً پوری توجہ کرنا بھی آسان ہوگا، یہ ایک عام بات ہے کہ اسم کا دھیان کرنے سے اس کے مسمّٰی کی طرف توجہ ہو ہی جایا کرتی ہے اور یہ اسم مبارک تو بہت برکت والا ہے اور یہ عالم الفاظ میں ذات پاک کی ایک تجلی ہے جس کی وجہ سے قلب پر ذات پاک کا کچھ ظہور ہونا شروع ہو جاتا ہے، اس لیے پہلے تو دل میں خود ہی اس کی طرف دھیان ہونا شروع ہو جاتا ہے حتّٰی کہ پھر جب دل پر ذکر کی کثرت سے تجلی (یعنی تھوڑا سا ظہور) کا غلبہ ہو جائے گا تو محبوب کا نام بھول کر اس کی ذات کی یاد اور معشوق کے جلوہ میں محو ہو جائے گا جیسے کسی حسین کے سامنے آدمی ایسا مبہوت اور بے خود ہو جاتا ہے کہ اپنا آپ اور سب کچھ سے بے خبر تو ہوتا ہی ہے حسین کا نام بھی فراموش ہو جاتا ہے، زبان بھی نہیں چلتی، آنکھیں کھلی ہوتی ہیں مگر ماسوائے محبوب کچھ نظر نہیں آتا، کان کھلے ہوتے ہیں مگر کچھ سنائی نہیں دیتا بلکہ اس کے وصال کے شوق میں رونا چلانا زاری کرنا شروع ہو جاتا ہے مگر ان احوال میں سے کسی کیفیت و لذت کا منتظر نہ رہے، کبھی پیش آتے ہیں کبھی نہیں لیکن ثمرات ضرور حاصل ہوں گے بشرطیکہ گزشتہ اوراق میں مذکورہ شرائط کے بعد کیا جائے، یعنی ارادت توحید مطلب، آدابِ صحبت وغیرہ کیونکہ ثمرات و اثرات کے حصول میں ذکر کے ساتھ شیخ کی

بھی ضرورت ہے، (اس کی تفصیل بندہ کے رسالہ "محبت" میں ملاحظہ کریں) کیونکہ گو سلوک کا اختیار کرنا ضروری ہے لیکن وصول جب ہوگا جذب ہی سے ہوگا اور ہمارے حضرات کے ہاں شیخ کا فیض بطریق جذب ہوتا ہے جس کے لیے شیخ سے محبت و تعلق ضروری ہے۔

اس شغل کو دو ہزار سے شروع کر کے مرشد کی ہدایت کے موافق چھ ہزار تک کرے، جب یہ ذکر بلا تکلف ہونا شروع ہوجائے تو بلا قید مقدار اپنے دوسرے کاموں کی مشغولی میں اور چلتے پھرتے اسی شغل میں مشغول رہے، یہ ذکر جذب کے لیے مفید ہے پھر جب خوب رسوخ ہوجائے تو مرشد کی تجویز سے اسی طرح قلبی طور پر خیال سے ذکر نفی و اثبات شروع کرے، سلوک کے اذکار میں یہی اصل ہے۔

ذکر خفی نفی و اثبات کا طریقہ:

بعد تہجد یا بعد فجر کسی بھی فراغت، یکسوئی اور مقررہ وقت میں پہلے گیارہ مرتبہ درود شریف، تیرہ مرتبہ قل ہو اللہ شریف پڑھ کر سلسلہ کے تمام مشائخ کو ایصال ثواب کرے، پھر زبان کو تالو سے لگا کر خیال سے لفظ "لاالہ" کو دل سے نکال کر داہنے مونڈھے پر ختم کریں پھر "الا اللہ" کی خیالی ضرب قلب پر لگائیں، یہ ذکر تین سو سے لے کر پانچ سو تک کریں، اس ذکر میں جسمانی محنت، جہر و ضرب و حرکت وغیرہ تو نہیں ہے کمزور اور بیمار وغیرہ بھی کر سکتا ہے مگر سلوکی فائدہ جب ہی ہوگا جب مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے۔

(۱) ذکر میں معنی کا لحاظ رکھنا شرط ہے، یعنی کوئی مقصود سوائے ذات پاک کے نہیں ہے اور نفی کے وقت اپنی ہستی کی نفی اور تمام موجودات کی نفی خیال میں

لائے اور اثبات کے وقت ذات پاک کے اثبات کا لحاظ رکھے۔

۲ چند مرتبہ ذکر کرنے کے بعد خیال کی زبان سے یعنی دل میں نہایت خاکساری اور نیاز مندی سے دعا، اور التجا کرے کہ الٰہی میرا مقصود تو اور تیری رضا ہے، اپنی محبت اور معرفت عطا فرما۔

۳ اپنی توجہ دل کی طرف اور دل کی توجہ ذاتِ الٰہی کی طرف رکھنا ضروری ہے جیسا کہ شغل اسم ذات کے بیان میں اس کا ذکر گزرا۔

۴ ذکر میں جب تک مشق نہ ہو جائے ذکر میں خیالی حرکات یعنی لاالٰہ کو دل سے کھینچ کر دائیں مونڈھے پرلے جانا پھر وہاں سے کوئی حرکت کیے بغیر دل پر خیالی ضرب لگانا اسی طرح دیگر ملحوظات مذکورہ کا خیال بیک وقت رکھنے سے دشواری ہوتی ہے لیکن گھبرانا نہیں چاہیے، ملحوظات کو ضروری سمجھتے ہوئے ضرور عمل میں لائے خواہ ہر روز ایک ایک بات کی مشق کر کے ساری شرائط پوری کرے، کیونکہ نسبت کا حصول ان چیزوں کے بغیر مشکل ہے، پھر چند دنوں مشق کے بعد بہت آسان معلوم ہوگا۔

۵ اگر ماسوا خدا کے کسی سے خاص تعلق ہو جائے یا کوئی بری عادت خاص طور پر دل میں جگہ پکڑ لے تو اسی ذکر نفی و اثبات میں اسی شئے کی نفی کرے مثلاً مال کی محبت ہے تو اس کے دور کرنے کے لیے لاالٰہ کا خیال کرتے وقت یہ تصور کرے کہ میں نے مال کی محبت نکال کر پھینک دی اور الا اللہ کے وقت یہ تصور کرے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں داخل کی۔

ذکر جلی زبانی کا بیان:

دل کی طرف متوجہ ہو کر خیال و تصور سے ذکر کرنا باوجود کہ بہت آسان ہے

لیکن بعض طباع کو اس سے بالکل مناسبت نہیں ہوتی شروع کرنے کے بعد فوراً ہی خیال دوسری طرف چلا جاتا ہے اور ذکر سے ذھول ہو جاتا ہے۔ یہ حضرات زبانی ذکر کا دوسرا مختصر نصاب شروع کریں جس کی شرائط میں جہر، ضرب و حرکت ہے، لیکن کمزور حضرات ان شرائط کو حذف یا ان میں کمی کر کے پاس انفاس کے اضافہ سے کمی کا تدارک کر لیں۔ ذکر اور پاس انفاس کا طریقہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۲ تسبیح نفی اثبات کا آسان طریقہ:

بعد تہجد یا بعد فجر کسی بھی مقررہ اور یکسوئی کے وقت میں توبہ استغفار عجز و انکساری کر کے دعا کرے اللھم طھر قلبی من غیرك ونور قلبی بنور معرفتك اور ایک آدھ منٹ یہ خیال کرے کہ اب میں جتنی دیر ذکر کروں گا اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت سے مجھے یاد فرمائیں گے اور میری طرف خصوصی طور پر متوجہ ہوں گے۔ پھر ۱۱ بار درود شریف اور ۱۲ بار قُل ھُو اللہ شریف پڑھ کر اپنے سلسلہ کے مشائخ کو ایصال ثواب کرے۔ پھر چار زانو بیٹھے، کمر کو سیدھی رکھے۔ پھر خوب اطمینان اور تعظیم کے ساتھ خوش الحانی سے ذکر شروع کرے کہ سر کو قلب کی طرف تھوڑا سا جھکا کر کلمہ لاؔ کو قوت اور مد کے ساتھ دل سے کھینچ کر اور الٰہ کو داہنے مونڈھے پرلے جا کر سر کو پشت کی طرف مائل کر کے تصور کرے کہ دل سے ہر غیر اللہ کو نکال کر پس پشت ڈال دیا اور دم کو چھوڑ کر لفظ الا اللہ کی ہلکی سی ضرب دل پر لگائے اور تصور کرے کہ عشق اور نور الٰہی کو دل میں داخل کیا۔ اسی طرح نفی اثبات کو دوسو بار کرے۔ بیچ میں دس گیارہ بار کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی کہتا رہے، اس کے بعد لمحہ دو لمحہ کے لیے آنکھیں بند کرے خیال

کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینہ میں آتا ہے۔

چالیس روز اتنا ہی کرے پھر اپنا شوق اور قوت دیکھ کر صرف الاّ اللہ ہلکی ضرب کے ساتھ چار سو بار دمادم کرے، پھر لمحہ دو لمحہ کے پیے فیض آنے کا تصور کرے اور دو چلّے بھی دونوں ذکر نفی اثبات اور اثبات مجرد کرتا رہے، پھر تیسرے چلّہ میں اسم ذات لفظ مبارک اللہ اللہ کا اضافہ کرے، اس طرح سے کہ اول حرف ھا لفظ اللہ کو پیش اور دوسری ھا لفظ اللہ کو ساکن کرے یعنی جزم دے اور آنکھیں بند کرے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لاکر لفظ مبارک اللہُ اللہ کی دونوں ضرب دل پر مارے اس کو دمادم چھ سو بار کرے۔ بیچ میں کسی کسی وقت اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ معی بھی کہے۔ اس کے بعد صرف اللہ ھا ساکن کے ساتھ سو بار دل پر ضرب کرے۔ اس ذکر کو مرشد سامنے بٹھلا کر سکھائے پہلے مرشد کرے پھر طالب سے سُنے، کچھ غلطی ہو تو اصلاح کر دے۔

طریقہ پاس انفاس :

لفظ مبارک اللہ کو سانس کے ساتھ اوپر کھینچے اور لفظ ھُو کے ساتھ سانس کو چھوڑ دے یعنی سانس لینے میں ذرا سی حرکت کے ساتھ لفظ اللہ کا خیال کرے اور سانس واپس کرنے میں ھُو پیدا کریں۔

ملحوظ :۔ اس کو سیکھنے اور سکھلانے کے وقت تو سانس زور سے لیا جاوے گا مگر طریقہ سمجھ لینے کے بعد سانس کو اپنی طبعی حالت پر رکھنا چاہیے۔ اس کو شروع میں چند منٹ کرے پھر تدریجاً بڑھاتا رہے، حتیٰ کہ بلا تکلف ہر وقت جاری رہے۔

اذکار واشغال کا مقصود:

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اصل ذکر یادداشت کو کہتے ہیں کہ بدون الفاظ و آواز کے کسی چیز کی یاد دل کے ساتھ لازمی چیز بن جائے (اس کے ساتھ مذکور سے محبّت وعشق بھی پیدا ہوجاتا ہے) جیسے دوست دوست کو دور ہونے کی حالت میں یاد رکھتا ہے (حالانکہ بعض دفعہ دوست کا نام بھی بھولا ہوا ہوتا ہے لیکن اس کی یاد دل میں قائم ہوتی ہے) یہی حقیقی ذکر اور اللہ تعالےٰ کی یاد ہے، اس کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں، اکثر عام آدمیوں کو بھی تھوڑی دیر کے لیے بغیر کسی مشق اور طریقہ کے حاصل ہوجاتی ہے، مثلاً کسی سخت مشکل میں سب طرف سے مایوس ہوکر اور اضطراب کے وقت میں جب کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور یا اللہ یا اللہ کہہ کر خطاب کرتا ہے، اس وقت ظاہر ہے کہ اس کو حضوری، اخلاص، حقیقی ذکر اور تعلق سب کچھ حاصل ہوتا ہے بلکہ ڈوبتے وقت تو مشرک بھی اخلاص و توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ شانہٗ ہے فاذا رکبوا فی الفلك دعوُ الله مخلصین له الدین۔ کیونکہ ایسی حالت میں فطری امر ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے لیکن عام حالات میں عامی کو یہ بات نصیب نہیں ہوتی چاہے وہ عبادات میں ہی کیوں نہ مشغول ہو۔

سلوک کے اذکار واشغال سے یہ بات یعنی حقیقی یاد پیدا ہونا شروع ہوجاتی ہے، پہلے پہلے یہ بات اشغال کی مشغولی میں چند لمحوں کے لیے ہوتی ہے پھر اشغال کی مشغولی کے پورے اوقات میں حاصل رہتی ہے پھر رفتہ رفتہ اس کا دل پر غلبہ

ہوجاتا ہے اور وہ دل میں پیوست ہوجاتی ہے اور دل کی لازمی چیز بن جاتی ہے
اب غفلت ہونا ایسا مشکل ہوجاتا ہے جیسا کہ پہلے یادکا قائم ہونا مشکل تھا، عبادات
اور زندگی کے تمام کاموں میں یہی یاد اور دھیان قائم رہتا ہے، بلکہ بعض مقام اور
بعض حالات میں جہاں اللہ تعالیٰ کی یاد ادب کے خلاف معلوم ہوتی ہے وہاں بھی
غافل ہونا مشکل ہوتا ہے، بیت الخلاء سے نکلتے وقت جو دعا منقول ہے اس میں
پہلے استغفار ہے، یہاں استغفار کرنے کی وجہ میں بہت سے حضرات فرماتے ہیں
کہ چونکہ بیت الخلاء میں جتنی دیر رہا اتنی دیر ذکر اللہ نہ کرسکا، یہ وقت غفلت میں
گزارنے پر استغفار کیا جاتا ہے مگر مرشدی روحی فداہ کے پیر حضرت سہارنپوری نوراللہ
مرقدہٗ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ بیت الخلاء گندی جگہ ذکر اللہ کے مناسب
نہ تھی مگر یہ بندہ وہاں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہا غافل نہ ہوسکا اس پر استغفار
ہے (یہ امر غیر اختیاری ہے لیکن حسنات الابرار سیئات المقربین کے تحت قابل
توبہ ہے) اسی طرح انتہائی غم اور انتہائی خوشی اور سخت مشغولی اور کسی امر میں
گہری سوچ و فکر کے حالات میں بھی وہ چیز اپنی جگہ قائم رہتی ہے گو اس کے قائم ہونے
کی طرف التفات نہ ہو، اس کے قائم رہنے کا امتحان اور اس پر التفات اس وقت
ہوتا ہے جبکہ کوئی امر اللہ تعالیٰ کی یاد کے تقاضہ کے خلاف پیش آجائے، مثلاً کسی
وجہ سے معصیت ہوجانے پر اس گناہ کی حالت پر قائم رہنا، ندامت نہ ہونا کہ اگر کسی
وقتی غلبہ یا غلطی سے کوئی بات ہوجائے تو اگر فوراً ندامت ہوئی اور توبہ کرلی تو
سمجھیں گے کہ یاد قائم ہے۔ اگر معصیت پر قائم رہا تو سمجھیں کہ یاد قائم نہیں۔
اس یادداشت کی حالت میں جو کیفیت ہوتی ہے وہ تو بیان نہیں ہوسکتی

ایک اپنے جیسے محبوب کی یاد کی کیفیت بھی کوئی الفاظ اور مثال میں بیان نہیں کرسکتا تو محبوب حقیقی کی یاد کی کیفیت کیسے بیان ہو سکتی ہے، لیکن محض یادداشت کے ہر حال میں قائم رہنے کو ایک مثال کے ساتھ کچھ تھوڑا سا سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ پہاڑی دیہاتوں میں دیکھا جاتا ہے کہ لڑکیاں کنوؤں سے پانی لاتی ہیں تو اپنے سروں پر پانی کے تین تین برتن اوپر تلے رکھ کر اکٹھی چلتی ہیں، راستہ میں سہیلیوں سے ہنسی مذاق، باتیں کرتی ہوئیں اور راستہ کے کانٹے پتھر وغیرہ سے بچتی ہوئیں بے تکلف چلتی ہیں لیکن اندر سے ایک خاص قسم کا دھیان پانی کے گھڑوں کی طرف رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ سیدھے رہتے ہیں اور ہلنے کے باوجود توازن قائم رہتا ہے، اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی گھڑوں کا خیال نہ رہے تو وہ فوراً زمین پر گر جائیں، چنانچہ جن کو مشق نہیں ہوتی وہ اس طرح دو قدم بھی نہیں چل سکتے ہاں اہتمام کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے کھڑے رہ سکتے ہیں، اسی طرح سلوک کے اذکار میں محنت اور مشق کرنے سے ہمہ وقت یاد کا ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے ساتھ مذکور کا عشق بھی ہوتا ہے، اسی ملکہ کو یادداشت حضوری اور یقین واحسان اور وصول ومشاہدہ کہا جاتا ہے اور جب ان اشغال کو آداب شرع کی پابندی اتباع سنت کے اہتمام اور دیگر متعلقہ شرائط کے ساتھ کامل شیخ کی تجویز و نگرانی میں کیا جاوے تو پھر حسب وعدہ والذین جاھدوا فینا الآیۃ اور ان کنتم تحبون اللہ الآیۃ کے مطابق محبوب حقیقی کی طرف سے قبولیت ہو جاتی ہے جس کی علامت دوام طاعت وتقویٰ اور یادداشت میں استقامت ہوتی ہے، اس ساری حالت کا اندازہ کر کے نسبت کا حاصل ہونا سمجھا جاتا ہے اور اشغال اختیار کرنے کا یہی

مقصود ہوتا ہے، یہی وہ دولت ہے جس کے لیے آستانے ڈھونڈے جاتے ہیں، بڑے
بڑے علمائے کرام پیران عظام کی جوتیاں سیدھی کرتے آئے ہیں، اسی حالت
کو حدیث پاک میں مرتبہ احسان فرمایا گیا ہے، مگر یہاں ایک بات

قابل غور اور حیرت انگیز

یہ ہے کہ حدیث میں واضح طور پر ایمان اور اسلام کے بیان کے بعد تیسرا دین کا تکمیلی
درجہ احسان کا بیان ہوا ہے جس سے مسلمانوں کے کسی طبقہ کو انکار نہیں، لیکن
جس طرح ارکان ایمان کی تفاصیل کو سمجھ کر دل سے مانا جاتا ہے پھر ارکان اسلام
کو سمجھ کر عمل میں لایا جاتا ہے، اسی طرح احسان و اخلاص کا حصول بھی ہونا چاہیے۔
اس کے حاصل کرنے کے لیے بزرگوں نے بہت سے طریقے بیان فرمائے ہیں چنانچہ
ان میں سے ایک بہت آسان طریقہ اس رسالہ میں بھی بیان ہو رہا ہے، دین میں فضیلت
کا دار و مدار اسی کے حصول پر ہے گو اس درجہ کا حصول فرض نہیں بلکہ مستحب ہے
دین کے اندر قدر فرض پر اکتفا کرنے والے عوام اگر اس طرف توجہ نہ کریں تو کوئی حیرانی نہیں
لیکن جو حضرات دین کا کمال چاہتے ہیں، اس کے لیے دینی شعبوں کے علم و عمل میں
خوب مجاہدہ اور ان کے تمام اوقات اسی اپنی دینی ترقی ہی میں مشغول ہیں ان میں سے
بعض اہل علم پر تعجب ہے کہ وہ اس کیفیت احسان پر پوری طرح متوجہ نہیں ہوئے کیا اسکی
وجہ (خواہ غیر شعوری طور پر ہو) یہ تو نہیں کہ علمی اشتغال اور ظاہری اعمال کے بجالانے
میں عزت و جاہ حاصل ہوتی نظر آتی ہے اور حقیقت میں بھی بہت بڑی عزت ہے، جبکہ
تواضع و عبدیت کے رنگ میں ہو اور اس دولت کے حصول کے لیے اپنے کو کسی کے سامنے
پامال کرنا اور اپنے کو مٹانا پڑتا ہے جو کہ بالطبع مشکل ہے، اس لیے نفس ان طریقوں سے

بچنے کے لیے کبھی تو اس راستہ کے خام اور جاہل پیروں کے واقعی غلط اور ناجائز امور اور رسومات پر علمی اشکال کرتا ہے اور کبھی یہ دھوکہ دیتا ہے کہ یہ دولت نسبت احسان تو ہم کو حاصل ہی ہے، ہم اس کیفیت کو جانتے اور مانتے ہیں، نفس کا دھوکہ اس لیے کامیاب ہوجاتا ہے کہ واقع میں بھی اخلاص کا ادنیٰ مرتبہ ہر عامی کو حاصل ہے، جیسا کہ اوپر حضوری یادداشت کو سمجھانے کے لیے مثالوں میں گزرا، بس اسی کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے، یہ دھوکہ کسی اہل علم کے شایان شان نہیں جبکہ تواضع کی فضیلت اور کبر و عجب کی مذمت میں قرآن وحدیث کے نصوص کثیرہ سے خوب واقف ہیں "امداد السلوک" میں ہے کہ جس علم نے عجز کے بعد تکبر اور گمنامی کے بعد شہرت کا نتیجہ دیا، وہ وہی علم ہے جس سے فخر عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ چاہی ہے، ہمارے حضرات اکابرین حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی اور ان کے اساتذہ خاندان ولی اللہی کو تو باین علم وفضل مشائخ کی ضرورت پڑی تھی بلکہ علم ظاہر میں بھی وہ حضرات مجتہدین کے مقلد تھے، بدون شیخ اس کار عظیم کا انجام پانا عقلاً وشرعاً محال نہیں لیکن عادۃً خصوصاً اس زمانہ میں بہت مشکل ہے۔

حضرت مولانا شیر محمد صاحب نے حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ سے پوچھا کہ حضرت یہ پیرزادے اور مولوی اکثر محروم کیوں رہتے ہیں فرمایا کہ پیرزادے تو باپ کے بعد اپنے کو پیر سمجھ بیٹھتے ہیں اور مولوی تحصیل علم کر کے عالم فاضل ہوجاتے ہیں کہ آئندہ کسی شے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ علم وعمل کو کافی سمجھ کر مطمئن ہوجاتے ہیں حالانکہ ابھی ان کو آخری درجہ اور طے کرنا ہے جو سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر علم موجب وبال ہے اور عمل پوست بے مغز کی طرح ردی اور بے کار۔ اور جب

اس کی ضرورت ہی ذہن میں نہ ہو تو طلب نہ ہوگی اور طلب کے بغیر قوی النسبت شیخ کے بیٹے اور بیوی کو بھی کبھی کچھ نہیں ملا۔ اجنبی کو دس بیس سال رہنے سے تو کیا مل سکتا ہے (ماخوذ از تذکرۃ الخلیل)

اگر مقصود بالا انہیں اذکار سے حاصل ہوگیا تو سلوک کی لائن کے کسی اور ذکر کی ضرورت نہیں اسی کو کرتا رہے، اب جتنی توفیق ہو تلاوت، اذکار مسنونہ، نوافل وغیرہ کا اہتمام کرے اور تعلیم و تبلیغ، خدمت خلق جس لائن سے مناسبت اور شوق ہو اختیار کرے انھیں چیزوں سے حاصل شدہ نسبت میں قوت آتی رہے گی، اگر ذکر حقیقی میں مزید ترقی کا شوق ہو تو پہلے مراقبہ دعائیہ پھر مراقبہ معیت کرے۔

مراقبہ:

اللہ پاک کی طرف خیال کو جمانے کا نام مراقبہ ہے تاکہ دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور دل دیگر باتیں نہ کرے کیونکہ دل سے بقصد فضول باتیں کرنا غفلت اور امراض قلبی پیدا کرتا ہے۔

مراقبہ دعائیہ:

یہ بھی بہت آسان اور عام فہم چیز ہے لیکن کچھ عرصہ مذکورہ اشغال کرنے کے بعد کرایا جاتا ہے، یہ مراقبہ آسان ہونے کے ساتھ اتنا مفید اور اہم ہے کہ مراقبہ معیت جو پرانے ذاکر شاغل جن کے رگ وپے میں ذکر سرایت کر جائے ان کو تعلیم کیا جاتا ہے جو کہ فی الجملہ مشکل ہے لیکن اس مراقبہ دعائیہ سے مراقبہ معیت کی طرف آسانی سے راستہ مل جاتا ہے۔

مراقبہ دعائیہ کا طریقہ:

کسی یکسوئی کے مقررہ وقت میں پہلے چند بار درود شریف پڑھے پھر جس طرح شغل نفی و اثبات کے دوران دل دل میں خیال کی زبان سے، تصور سے دعا کرتا تھا کہ الٰہی میرا مقصود تو اور تیری رضا ہے۔ اپنی محبت و معرفت عطا فرما۔ اور یہ دعا کرتے وقت دل کی طرف توجہ رکھتا تھا کہ دل اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے، اسی طریقہ پر بغیر زبان ہلائے دعاؤں میں دل کو مشغول رکھے، پہلے کچھ دیر امت کی مغفرت، ہدایت اور صلاح و فلاح کے لیے دعائیں کرے، پھر اپنی آخرت کے لیے دعائیں کرے پھر اپنی دنیوی ضروریات کے لیے دعا کرے، شروع میں اس مراقبہ کو پانچ منٹ سے لے کر دس منٹ تک کرے پھر حسب فرصت و ذوق بڑھاتا رہے اور نصف گھنٹہ تک کرلے، جو تقسیم دعاؤں کی لکھی ہے یہ بہتر صورت ہے لیکن یہی تقسیم ضروری نہیں، اگر کسی وقت کسی خاص دعا میں خصوصی توجہ اور دل لگے، یا خصوصی ضرورت درپیش ہو تو چاہے سارے وقت میں وہی ایک دعا کرتا رہے، کیونکہ دعا اور دوسری عبادات میں یہ فرق ہے کہ ان میں صورت اور روح دونوں مطلوب ہوتے ہیں اور خالی روح کا بلا صورت اعتبار ہی نہیں جیسے نماز میں توجہ الی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ارکان نماز، شرائط، مستحبات وغیرہ سب امور کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے، ورنہ نماز گڑبڑ ہو جائے گی اور نماز کا حضور قلب بھی یہی ہے کہ دل سے نماز کی شرائط و آداب کا خیال رکھے، کیونکہ نماز کی صورت بھی مقصود ہے، بغیر صورت کے محض توجہ الی اللہ سے جو اگرچہ نماز کی روح ہے نماز نہیں ہوگی، یہی حال تلاوت کا ہے کہ

اس میں قرآن پاک کے الفاظ تجوید کے ساتھ ادا ہونا ضروری ہیں، تلاوت میں اگر توجہ نہ بھی ہو تو بھی تلاوت کا ثواب ملے گا۔

مراقبہ معیت :

جیسے نماز کا سیکھنا آسان ہے اور عارف وغیر عارف کی نماز کا ظاہر ایک ہی طرح کا ہوتا ہے لیکن دونوں کی نمازوں میں باطن کے لحاظ سے بہت فرق ہوتا ہے کہ مشائخ کے نزدیک عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ یہ فرق باطنی کیفیت، یقین، اخلاص اور نسبت باطنی کی قوت کی وجہ سے ہوتا ہے، یہی حال مراقبہ معیت کا ہے کہ یہ اتنا آسان ہے کہ ہر آدمی کو حاصل ہے۔ وہ یہی کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے یا اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہوں، اس بات کو ہر عام آدمی مانتا ہے، بس اپنے اس علم حضوری اور معیت کی طرف کچھ دیر یکسوئی کے ساتھ اللہ معی کے تصور میں محو ہو جانا مراقبہ معیت ہے، تاکہ مشق ہو کر ہر وقت استحضار رہا کرے اور حضوری اور معیت کا جو علم سرسری تھا اور اعمال قلبیہ وقالبیہ میں مؤثر نہ تھا وہ یقین وحال کے درجہ میں ہو جائے، اور رسوخ ہو کر مقام احسان ہو جائے۔ اس وقت حسب مراتب عجیب کیفیتیں اور لذتیں حاصل ہوں گی اور اس کے ثمرات اخلاص وغیرہ حاصل ہوں گے، گویا اب قلب میں ٹھیک کام کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی۔

خیالات کی مشین (قلب) میں استعداد ہو جانے کے بعد کا کام :

خیالات پیدا کرنے والے پرزہ میں ٹھیک کام کرنے کی استعداد ہو جانے

کے بعد اب اس سے کام لینے میں تھوڑی ہمت اور استحضار کی ضرورت ہے ورنہ تو اچھی سے اچھی مشین بھی سستی اور لاپرواہی سے ٹھیک کام نہیں کرتی، اور پھر دوبارہ خراب ہو جاتی ہے اور یہ قلب جب وصول اور معرفت وکیفیات حاصل ہونے کے بعد خراب ہوتا ہے تو بہت فتنہ بن جاتا ہے کہ پہلے تو اس کی خرابی سے صاحب قلب ہی کو نقصان ہوتا تھا، اب اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خراب کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ہتھیار جب تیز ہو جائے تو لاپرواہی سے زیادہ نقصان کرتا ہے، نقصانات کی وجوہات کا مفصل بیان رسالہ "محبت" میں پڑھیں۔

ابتدائی معمولات کی پابندی کو جاری رکھنا:

(۱) شروع میں گزر چکا کہ بیعت کرتے وقت کچھ معمولات تعلیم کیے جاتے ہیں اور ہمارے حضرت کے ہاں وہ چھپے ہوئے رکھے ہیں، وہ پرچہ دے دیا جاتا ہے۔ یہ معمولات اس راستہ کا ابتدائی اور ہمیشہ کے لیے لازمی کورس ہے، ابتدائی تو اس لیے کہ کچھ عرصہ ان کی پابندی کرنے کے بعد سلوک کے اشغال کا اضافہ کیا جاتا ہے اور لازمی اسلیے کہ یہ چیزیں آگے ترقی کی بنیاد ہیں، ان کے بغیر سلوک میں قدم رکھنا کامیاب اور مفید نہیں ہوتا اور دائمی اس لیے کہ یہ بنیاد ہیں، بنیاد کے ختم ہو جانے پر بنی بنائی عمارت گر جاتی ہے (معمولات کے پرچہ کے مندرجات رسالہ "محبت" میں بھی درج ہیں)

(۲) اب دین کا ایک اہم کام اور ضروری شعبہ اصلاح اخلاق اور صفائی معاملات کا باقی ہے جس کے بغیر معرفت وبزرگی کا تو کیا ذکر بلکہ عام دیندار مسلمان بھی نہیں کہلایا جا سکتا۔

ولایت اور نسبت کا حصول تو اپنی عظیم فضیلتوں کے باوجود مستحب تھا اور یہ کام فرض اور سب سے مقدم تھا لیکن چونکہ قلب سے تعلق رکھتا ہے اور غافل قلب کے ساتھ اس میں کامیاب ہونا بہت ہمت اور مجاہدہ چاہتا تھا جو آج کل مفقود ہے ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اچھی باتوں کو معروف اور بری باتوں کو منکر کہا جاتا ہے، معروف و منکر کے معنی ہی سے ظاہر ہے کہ موٹے موٹے اعمال کے اچھے اور برے ہونے کو عام لوگ جانتے ہی ہیں پھر فضائل اور ترغیب و ترہیب کی کتب میں ان اعمال کی جزا بہت تفصیل سے بیان کی گئی ہے جن کے مطالعہ سے نیک اعمال کی رغبت اور برے اعمال سے نفرت پیدا ہوتی ہے، ترغیب و ترہیب میں قرآن و حدیث کے بیان کردہ وعدہ و وعید پر ایمان بھی ہوتا ہے اور اس سے انکار نہیں ہوتا لیکن اس ایمان اور رغبت و نفرت کے اس علم سے ہمارے اعمال میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی یا بہت کم ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ طبیعت ادھر نہیں آتی کیونکہ گناہوں کی رغبت و محبت تو طبعی تھی اور کتابوں سے جو نقصان اور برائی معلوم ہوئی وہ عقلی ہوتی ہے۔ طبع اور عقل دونوں طاقتوں کا مقابلہ ہوتا ہے، کبھی ایک کو فتح ہوتی ہے کبھی دوسرے کو، اور جب کبھی دونوں متضاد طاقتیں برابر ہوتی ہیں تو اعمال کی تبدیلی میں کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، اب اس اصلاحی نصاب اور اشغال کے پورا کرنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ مالک حقیقی کا عشق پیدا ہو جانے کی وجہ سے طبعی بغض اور طبعی حب

بھی عقلی جذبات کی مدد کریں گے تو معمولی سی ہمت کام کر جائے گی، اذکار وغیرہ کرنے سے قلب میں کچھ بیداری، روشنی اور قوت آ گئی، فکر سے کام لینے کی کچھ مشق ہو گئی، کیفیت احسان و یاد داشت سے حیا و شرم اور تقویٰ و تواضع پیدا ہوئی جو صفائی معاملات کی روح ہے اور ذکر کے غلبہ میں اخلاق رذیلہ دب جانے کی وجہ سے ان کی اصلاح آسان ہو گئی، صرف تھوڑی سی فکر اور ہمت و استحضار کے ساتھ خیالات کو بدلنے سے یہ مرحلہ آسان ہو جاتا ہے، اب مندرجہ ذیل بڑے مشکل اور عظیم الشان امور پر بہت آسانی سے عمل کر کے کامیاب ہوں ان کو نمبروار بیان کرتے ہیں۔

(۱) اصلاح اخلاق و معاملات (۲) ایمان و احتساب اور اتباع سنت
(۳) ہر وقت کی مخصوص ادعیہ ماثورہ کا اہتمام (۴) حب فی اللہ و بغض فی اللہ کا اظہار اور بدعات سے نفرت (۵) توجہ دینا۔

ان سب امور کی تفصیل رسالہ "محبت" میں ہے مگر توجہ دینے کا طریقہ اس میں نہیں۔

(۱) اصلاح اخلاق و صفائی معاملات:

معاملات شرعیہ کے مسائل تو حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ کے رسالہ "صفائی معاملات" اور "بہشتی زیور حصہ ۵" میں مل جاویں گے، ان کے مطابق عمل کریں مگر عمل کا دارومدار اصلاح اخلاق پر ہے، اس کی تدبیر یہ ہے کہ اچھے اخلاق مثلاً تواضع، نرمی، حلم، تراحم و شفقت، صبر و قناعت، ایثار و فیاضی، دوسروں کی خیر خواہی کے تقاضوں پر اہتمام اور تکلف سے عمل کیا جائے، اسی طرح ان کے

اضداد اور رذائل مثلاً کبر، غصہ، بخل و طمع، حسد، خود غرضی وغیرہ کے تقاضوں کے خلاف چلنے کے لیے عزیمت سے کام لیا جائے اور اس بارے میں اچھے اخلاق کے فضائل اور رذائل کی برائیوں کو متعلقہ کتب مثل "تعلیم الدین" سے معلوم کرکے سوچا کرے اور اپنی ہمت اور قوت ارادی کو کام میں لایا جائے، تھوڑے دنوں تو تکلف اور استحضار سے کام کرنا پڑے گا، پھر مشق و مجاہدہ سے طبیعت اس سانچہ میں ڈھل جائے گی۔ اس طریقہ سے کامیابی کی شہادت حدیث پاک سے مل رہی ہے، حدیث پاک میں ہے۔

من یستعف یعفہ اللہ ومن یستغن یغنہ اللہ ومن یتصبر یصبراللہ (مشکوٰۃ ص۱۶۲)

یعنی جو شخص تکلف سے عفت کا طرز عمل اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو باعفت بنا دیں گے، جو شخص بہ تکلف استغنار کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو غنیٰ عطا فرماویں گے اور جو شخص تکلف سے صبر کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو واقعۃً صابر بنا دیں گے۔

اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد "امسح راس الیتیم" میں اسی طریق علاج کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ تم یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور اطبار اخلاق کا بھی اسی طریق علاج میں کامیابی کا تجربہ ہے، ذکر و شغل کی طرح اس بارے میں بھی اپنے شیخ سے تشخیص تجویز اور تسہیل میں اطلاع، اتباع اور انقیاد کا معاملہ رکھے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اخلاق سیئہ بہت سے ہیں مگر اکثر نے ان کو دس میں محصور کر دیا ہے، پھر دسوں کا خلاصہ تکبر کو بتایا ہے، اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں، تکبر کے علاج میں مفصل رسالہ "ام الامراض" کا مطالعہ کریں۔

(۲) ایمان واحتساب اور اتباعِ سنت:

ایمان واحتساب یہ ہے کہ ذکر و عبادت اور جو نیک عمل بھی کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے پختگی کے ساتھ ثواب کی امید اور رضائے الٰہی کی غرض سے نیت اور دھیان کے ساتھ کیا جائے، اس طرح سے نیک اعمال کا ثواب سیکڑوں گنا بڑھ جاتا ہے اور یہ وہ کیمیا ہے کہ جس سے کھانا پینا، چلنا پھرنا، بیوی بچوں سے ہنسنا بولنا، غرض زندگی کا ہر جائز عمل عبادت یعنی کار ثواب بن جاتا ہے۔ زندگی کے جائز اور مباح کام ایک تو رضائے الٰہی کے لیے مثلاً حقوق ادا کرنے کی نیت سے کیے جائیں تو عبادت بن جاتے ہیں، اسی طرح یہی کام سنت کے مطابق کرنے سے بھی ایسی عبادت بن جاتے ہیں جس سے آدمی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے، دیکھیے ایسا قیمتی عمل کتنا آسان ہے کہ عمل میں کچھ بھی زیادتی نہیں کرنا پڑتی، مثلاً جوتا پہننا ہے، ہر شخص پہلے ایک جوتا پہنے گا پھر دوسرا، اس میں سنت کے مطابق دائیں بائیں کی تقدیم و تاخیر کا خیال کرے تو یہی عمل سنت ہو کر بڑے اجر و ثواب کا باعث بن جائے گا۔

ہر عقلمند آدمی چاہتا ہے کہ میں اپنے کام اچھے طریقہ سے کروں، اس کے لیے کوئی اپنی عقل سے طریقہ سوچتا ہے، کوئی کسی گروہ کی نقل کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کہ تمھارے لیے میرے حبیب کا طریقوں میں اچھا نمونہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اپنی زندگی کے بے شمار کاموں کو جو اس کو کرنے ہی تھے سنت کے مطابق کرلیا کرے تو یہ مفت کا اجر ہے (زندگی کے کاموں میں سنت کا طریق معلوم کرنے کے لیے حضرت شیخ زاد مجدہم کی کتاب شمائل ترمذی کا ترجمہ خصائل نبوی اور حضرت تھانوی کا رسالہ جزاء الاعمال اور تعلیم الدین مطالعہ فرمائیں) اور امت کے فساد کے وقت میں جیسا کہ آج کل کا وقت ہے اور جب کہ کسی کام میں سنت طریقہ کا رواج بالکل ختم ہو چکا ہو تو اس کام کو رواج کے خلاف سنت کے مطابق کرلے تو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، اور جو لوگ اس کی دیکھا دیکھی اس پر عمل کریں گے ان کا ثواب بھی ان کو ملے گا۔

شب بیداری کے بغیر ساری رات عبادت میں گزارنے کا ثواب:

ارشاد نبوی ہے کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گویا وہ آدھی رات نماز میں کھڑا رہا اور جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گویا کہ وہ ساری رات نماز میں کھڑا رہا (مسلم)

دیکھیے ان نمازوں کو جماعت سے پڑھنے میں پوری رات کا ثواب ملتا ہے۔

ماثورہ دعاؤں کی عادت:

چوبیس گھنٹے میں ہر ہر موقع کی جو مختصر ماثورہ دعائیں ہیں، ان کو ایک ایک کرکے یاد کرتا رہے اور ہر موقع کی دعاؤں کو ان موقعوں پر پڑھتا رہے، بہت آسان کام ہے، اس کی مشق ہونے پر ایک تو سارے کام بابرکت ہوں گے، کاموں میں غیبی

مدد اور حفاظت ہوگی، دوسرے ذکر کثیر کرنے کا ایک درجہ حاصل ہو جائے گا۔

(۴) بذریعہ خیال شہادت کا مرتبہ ملنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کوئی شخص (بغیر شہادت کے بھی) شہیدوں کے ساتھ ہو سکتا ہے، حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے وہ ہو سکتا ہے۔

موت کو خیال میں رکھنے سے لمبی امیدوں اور فضول فکروں کے عذاب سے بھی نجات حاصل ہوگی، اس کی تفصیل حضرت مرشدی کے رسالہ "موت کی یاد" میں مطالعہ فرمائیں۔

(۵) بذریعہ خیال رفعت اور بلندی ملنے کی ضمانت:

حدیث پاک میں ہے "من تواضع لله رفعه الله" یعنی جس نے اپنے کو پست اور کم خیال کیا اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دے گا، اسی طرح جب کوئی اپنے خیال میں چھوٹا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑا اور معزز ہو جاتا ہے، جب اللہ تعالےٰ کے ہاں مقبول ہو گیا تو پھر اس کی مقبولیت اللہ تعالیٰ کے بندوں میں رکھ دی جاتی ہے، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دنیا کیا کچھ نہیں کرتی اور کامیاب نہیں ہوتی مگر قلب کا کام ٹھیک ہو جانے کے بعد آسانی سے محض خیال ہی کو بدلنا پڑتا ہے۔

(۶) ایک جامع دعاء:

حضرت مرشدی دام مجدہم نے ارشاد فرمایا کہ ۳۲ھ سے یہ دعا میرے معمول میں ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی

دعائیں تعلیم فرمائیں کہ ہم ان کو یاد نہ کر سکے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ نے بہت سی دعائیں ارشاد فرمادیں تو ہم ان کو یاد نہیں کر سکتے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو ان سب دعاؤں کو شامل ہو؟ یہ دعا پڑھا کرو۔

اللھم انا نسئلك من خير ما سألك منه نبيك محمد صلى الله عليه وسلم ونعوذ بك من شر ما استعاذ منه نبيك محمد صلى الله عليه وسلم وانت المستعان وعليك البلاغ ولاحول ولا قوة الا بالله۔

(۷) صرف خیال کی برکت سے اپنے لیے جیسا معاملہ چاہے اللہ تعالےٰ سے کروالے:

حدیث قدسی میں ہے "انا عند ظن عبدی بی" میں بندہ کے خیال کے مطابق عمل کرتا ہوں، اللہ کریم کا وعدہ سچّا ہے اور اس کو سب قدرت بھی ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جتنا بھی اچھا سے اچھا گمان کرلے، اللہ کریم اسی طرح کر دیتے ہیں۔

اللھم مغفرتك اوسع من ذنوبي ورحمتك ارجى لدى من عملي۔

(۸) صرف خیال بدلنے سے ریار کی بیخ کنی:

ایک دفعہ حضرت مرشدی نے فرمایا، ریا کے دفعہ کے لیے یہ خیال کرلو کہ مخلوق کے قلوب اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اللہ تعالیٰ چاہے تو دوسرا خوش ہو سکتا ہے

اور دکھاوے کی نیت پر دوسرے کو ناراض بھی کرسکتا ہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ ریار کی پرواہ نہ کیا کرو، سب ختم ہوجائے گی، ریار خود بخود نہیں لپٹتی پھرتی، اپنے قصد اور خیال سے پیدا ہوتی ہے، جب آدمی اسے نہیں چاہتا تو کیسے پیدا ہوسکتی ہے، البتہ بلااختیار ریار کا وسوسہ آیا کرتا ہے جو کہ بالکل مضر نہیں اور قابل التفات بھی نہیں، اسی بات کو فرمایا تھا کہ پرواہ نہ کیا کرو بلکہ تمام وساوس کا یہی علاج ہے کہ پرواہ نہ کرنے سے ختم ہوجاتے ہیں۔

(۹) برے وساوس کو خیال سے معرفت کا ذریعہ بنالینا:

حدیث پاک میں وساوس آنے پر پریشانی کو صریح ایمان فرمایا گیا ہے لہذا ایسے خیالات آنے پر بجائے پریشان ہونے کے آدمی کو خوش ہونا چاہیے کہ ایمان کی نشانی ظاہر ہوئی، جیسے مریض کو بھوک لگنے سے وقتی طور پر بھوک کی تکلیف تو ہوتی ہے مگر خوش ہوتا ہے کہ صحت کی علامت ظاہر ہوئی۔ پھر جب انسان خوش ہوگا تو اگر وہ وساوس شیطان کی طرف سے ہوں گے تو شیطان شرمندہ ہوکر پیچھا چھوڑ دے گا کہ اس کا مقصد تو انسان کو رنجیدہ کرنا تھا، وہ اس طرح حاصل نہ ہوا۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو وساوس بہت پریشان کریں تو وہ یہ خیال کرے کہ اللہ اکبر اس کی کیسی شان ہے کہ ایسی ایسی چیزیں پیدا فرمائیں اور ایسے ایسے خیالات انسان کو دیئے کہ باوجود اپنے ہی خیالات ہونے کے رکتے بھی نہیں، پس اس مراقبہ (خیال) سے سارے وساوس منقطع ہوجائیں گے اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوجائے گی۔ گویا وساوس ذکر و معرفت کا ذریعہ بن گئے۔

حدیث پاک میں وساوس کو ذکر بنا لینے اور رضا والے اختیاری کاموں کی توفیق ہونے کی دعا بھی آئی ہے۔

اللھم اجعل وساوس قلبی خشیتك وذکرك واجعل همتی وھوای فیما تحب وترضیٰ۔

محظورات:

دشمن نفس وشیطان تو ہر انسان کے ساتھ ہیں لیکن جو آدمی اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت کا طریقہ اختیار کرتا ہے اس کے ساتھ تو شیطان کو بہت شدید دشمنی ہو جاتی ہے لیکن نفس کی چونکہ کچھ اصلاح ہو جاتی ہے اور وہ دب جاتا ہے اس لیے شیطان اسکی مدد نہیں حاصل کر سکتا اور نفسانی گناہ کرانے میں کامیاب نہیں ہوتا پھر وہ شیطانی اور باطنی ایسے گناہ کراتا ہے جن کا پتہ بھی مشکل سے چلتا ہے جیسے کبر، عجب وغیرہ، ان سے بچنے کی بہت ضرورت ہے۔ رسالہ "ام الامراض" کا غور سے مطالعہ کرنے پر ان کا علم ہو سکتا ہے اور بعض امور ایسے ہیں کہ وہ کسی طرح کے گناہوں میں شمار نہیں ہو سکتے، بلکہ نیکی کے کام ہیں، لیکن اس راستہ کے لحاظ سے ان کا نقصان بڑے بڑے گناہوں سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ کچھ حال توحید مطلب کے بیان میں گزر چکا کہ توحید مطلب کے خلاف کرنے میں نسبت کے منقطع ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، توحید مطلب میں تو استفادہ کی غرض سے شیخ کے غیر کو ملنا نقصان دہ تھا لیکن مبتدی کو طریقت کے مخالف دیندار منکرین تصوف وغیرہ اور اپنے شیخ کے مشرب ومذاق کے خلاف کی محض صحبت بھی خطرناک ہے، چاہے استفادہ کا قصد نہ ہو مگر صحبت کا اثر یقینی ہے، اس سے اپنے شیخ کے ساتھ مناسبت وعقیدت میں کمی آجائے گی جو آگے چل کر بُعد کا باعث بن کر

تباہ کردے گی، اسی طرح بتدی کے لیے ایسے لوگوں کی کتب کا مطالعہ بھی مضر ہوتا ہے جو منکرین تصوف ہوں، اگرچہ ان کی کتب دینی ہی ہوں کیونکہ ان کی تحریر سے انداز فکر بدل کر اپنے شیخ سے عقیدت کم ہوجاتی ہے۔

حب فی اللہ اور بغض اللہ میں نفسانی خواہش اور جاہ کی قربانی اور جانب اللہ کو ترجیح دینا۔

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور وہ بغض ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو[1]

حب اور بغض کے جذبات سے بعض دفعہ بہت معمولی قسم کے کام بڑے بڑے درجات اور مغفرت کا ذریعہ بن جاتے ہیں خصوصاً جبکہ کبھی کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا یا ناراضگی کا اپنی نفسانی خواہش یا اپنی جاہ سے تقابل ہوجائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب کو ترجیح دینے والے کو اللہ کریم اپنی شایان شان انعام دیتے ہیں۔

اس رسالہ میں چند سہولت کے اعمال بطور مثال بیان کیے ہیں جب اللہ پاک کا فضل ہوجائے اور قلب کی اصلاح ہوجائے تو ذرا سے غور و فکر سے، آدمی اپنی ہر حرکت

---

[1] بغض فی اللہ کی تفصیل کے لیے رسالہ "محبت" کے آخری حصہ کا مطالعہ فرمائیں۔

وسکون اور ہر دید و شنید کو معرفت و قربِ الٰہی کا ذریعہ بنا سکتا ہے بشرطیکہ دینی معلومات اور اپنی ترقی کا فکر رکھے، اگر فارغ اور سُست پڑا تو صرف یہی نہ ہوگا کہ ترقی رک جائے گی بلکہ ترقی رکنے کے بعد حاصل شدہ میں تنزّل شروع ہو جائے گا۔

توجہ دینا :

جیسا کہ کئی دفعہ بیان ہوا کہ ان سارے اعمال میں ایک تو ترتیب کے بغیر کامیابی اور فائدہ نہیں ہوتا، مثلاً پہلے تصحیح عقائد، توبہ اور ارادت کرنا، صحبت شیخ کا اہتمام کرنا پھر پر چہ معمولات پر پختگی سے عمل کرنا پھر سلوک کے ذکر و فکر میں مشغول ہونا پھر مراقبات اور دیگر اعمال قلبیہ و قالبیہ، اصلاح اخلاق و معاشرت و معیشت کا فکر کرنا، دوسرے یہ سارے کام شیخ کی نگرانی میں ان کی تجویز اور حکم سے کرنے ہیں، یہی اصول لوگوں سے ملنے ان کو وعظ و نصیحت کرنے اور توجہ سے نفع پہنچانے میں ملحوظ رہے۔

توجہ دینے کا طریقہ ۱ :

سمجھنے کے لیے یہ آسان بات ہے لیکن مشق کرنے سے پہلے مشکل معلوم ہوتا ہے، توجہ کا ایک طریقہ جس کا اثر فوری اور نمایاں طور پر کم ہوتا ہے بلکہ بتدریج ہوتا ہے لیکن مفید اور دیرپا ہوتا ہے، اس توجہ سے مرید میں جو تبدیلی آتی ہے وہ قائم رہتی ہے اور اسی کو اصلاح کہتے ہیں، توجہ کا یہی طریقہ ہمارے بزرگوں کا عام معمول ہے، اس طریقہ میں توجہ کا مطلب وہی ہے جو عام بول چال میں توجہ کا مفہوم سمجھا جاتا ہے، یعنی کسی کی ترقی اور اصلاح کے لیے فکر اور خصوصی التفات کرنا، جیسے استاذ کا شاگرد پر توجہ کرنا اور ماں باپ کا اولاد کی ظاہری تربیت میں توجہ کرنا، اسی طرح اور اسی معنی میں مرشد کا مرید کی باطنی تربیت و اصلاح میں توجہ کرنا ہوتا ہے، لیکن مرشد کی توجہ میں جو اثر

ہوتا ہے اس میں اسرار مخفی بھی ہیں، مثلاً مشائخ کے افکار و توجہات، توجہ الی اللہ سے
متحد ہوتے ہیں اور ان کے قلوب توجہ و نظر باری تعالیٰ کے اور تجلیات کا محل ہوتے ہیں
جب ان مبارک اور نورانی قلوب میں کسی خوش قسمت کا خیال اور فکر آجاتا ہے تو وہ
اللہ تعالیٰ کی طرف سے نواز دیا جاتا ہے، اسی لیے جس کام میں شیخ کی توجہ ہو مرید بھی
اسی میں مشغول ہو تو اس کو زیادہ نفع ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ مشائخ میں حقیقی تواضع ہوتی ہے وہ اپنے اندر کوئی کمال نہیں
دیکھتے (اگر ایسا نہیں تو وہ بزرگ ہی نہیں) جب کوئی دوسرا اپنے حسن ظن کی بنا پر استفادہ
کی نیت سے ان کے پاس جا کر بیٹھے تو وہ یہ خیال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو
حسن ظن دیا ہے وہی ہادی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی جناب میں شیخ متوجہ اور ملتجی ہوتا ہے کہ اے
اللہ اس کے دل میں استعداد پیدا فرما اور میرے ذریعہ اس کو سلسلہ کے فیوض سے نواز دے
اس وقت شیخ کے قلب سے ایک نور باطنی پیدا ہو کر اس مرید کے دل کو منور کر کے مستعد
بنا دیتا ہے جس کی وجہ سے شیخ کے اقوال و افعال اور ہدایات کا اثر ہوتا ہے۔

ہادی عالم رحمۃ اللعالمین، رؤف و رحیم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے
بارے میں اللہ پاک کا ارشاد "حریصٌ علیکم" کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ہمارے حبیب
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں تم لوگوں کی خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ
ان کے دل میں ہے اور وہ تمہاری ہدایت کی بڑی آرزو رکھتے ہیں، کسی کے متعلق بھی
آرزو رکھنا توجہ کا ایک مسنون طریقہ ہے جو ہمارے اکثر اکابر کا ہے۔

توجہ کے اقسام:

حضرات مشائخ نے نسبت کے حصول کے لیے جس طرح ذکر کے اثرات بڑھانے

کے کچھ طریقے مقرر فرمائے اور بیان کیے ہیں، اسی طرح توجہ کے بھی مختلف مراتب، اقسام
اور ان کے اثرات اور طریقوں کو بیان فرمایا ہے، اور اکثر یہ توجہات تصرفات کی قسم سے
ہوتی ہیں جن میں بعض اختیاری اور بعض غیر اختیاری ہوتی ہیں، ان میں کچھ شرائط تو
توجہ دینے والے کے اندر ہونا ضروری ہیں مثلاً اس کا قوی النسبت ہوتا اور طالب سے
تعلق ہونا وغیرہ، اور کچھ شرائط کا طالب میں ہونا ضروری ہے، مثلاً اس کا بھی شیخ کی
طرف متوجہ ہونا، اعراض نہ کرنا، ذکر وشغل سے قلب میں کچھ صفائی پیدا کرلینا اور اس
طلب میں کچھ مجاہدہ اختیار کرنا اور طرفین کی طرف سے کسی مانع کا نہ ہونا، مثلاً عدم مناسبت
اور شیخ پر دل میں اعتراض اور کوئی خرخشہ و شبہ کرنا یا شیخ کی طرف سے تکدر ہونا خواہ وہ
غیر اختیاری ہو بلکہ کسی غیر واقعی بات کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

مختلف قسم کی توجہ اور طالبین کی مختلف استعدادوں کی وجہ سے توجہ کے اثرات
سے مختلف درجوں کی نسبتیں حاصل ہوتی ہیں، ان کی چار قسمیں ہیں، نسبت انعکاسی،
نسبت القائی، نسبت اصلاحی اور نسبت اتحادی، ان کا مفصل بیان حضرت شیخ
دام مجدہم کی "آپ بیتی" کے "خلافت واجازت" کے باب میں ہے اور اس ناکارہ کے
رسالہ "اکابر کا سلوک واحسان میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مشائخ کے توجہ دینے کا دوسرا طریقہ:

یہ توجہ طالب کو سامنے بٹھا کر دی جاتی ہے اور اپنے دل سے تمام خیالات نکال کر
جس مضمون کا اثر ڈالنا مثلاً ذکر یا محبت الٰہی یا خشیت الٰہی وغیرہ اس کی آرزو و طلب کو
خوب مضبوط کرلے یعنی دل کی گہرائی سے یہ چاہے کہ ایسا ہوجائے پھر اسی حالت میں خیال
سے طالب کی ذات کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ گویا اپنی ذات یا اپنے دل کو اس کے

دل کے ساتھ متصل کردیا اور اپنے دل کو اس کے دل کے ساتھ یا دوسرے لفظوں میں اپنی ذات کو اس کی ذات کے ساتھ خیالی زور سے ٹکرائے گویا اس کی ذات کے اندر گھس گیا، جیسے محبت سے مخمور ہو کر عاشق اپنے معشوق کو دبا کر یک جان ہو جانا چاہا کرتا ہے، پھر خیال کرے کہ میری کیفیت ذکر یا کیفیت محبت وغیرہ یعنی میری نسبت طالب میں سرایت کر رہی ہے۔

یہ اثر فوری اور محسوس طور پر ہوگا لیکن وقتی ہوگا اس لیے یہ عمل طالب کی قوت برداشت کا لحاظ کر کے کرنا چاہیے ورنہ جسمانی بلکہ دینی نقصانات کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہ اثر کے فوراً زائل ہو جانے سے قبض سا ہو کر اعمال میں سستی کا اندیشہ ہوتا ہے، اس توجہ کا فائدہ طالب کو تھوڑا سا ذائقہ چکھانا اور متوجہ کرنا ہوتا ہے، لیکن چکھنے سے غذا اور دوا سے قوت و صحت حاصل نہیں ہوتی، اس کے لیے تو اعمال اختیاری کرنے پڑتے ہیں اور آج کل اعمال اختیاریہ میں اکثر لاپرواہی برتی جاتی ہے اور وقتی لذت کو کافی سمجھا جاتا ہے، اس لیے اکثر اکابر نے اس طرز توجہ کو چھوڑ دیا ہے۔ اور بعض کاملین غیر اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو ہی نہیں سکتے، گو یہ متوجہ ہونا للہ و فی اللہ ہی ہے مگر براہ راست توجہ الی اللہ تعالیٰ سے ہٹنا انکو مشکل ہوتا ہے اس لیے ان کی توجہ کا طریقہ وہی ہوتا ہے جس کو شروع میں لکھا لیکن یہ مناسبت اور مصالح ہیں اپنا اپنا اجتہاد اور طریقہ ہے مشائخ حقہ کے کسی طریق پر اعتراض نہ کرے۔

سیہ دل بتہ کار گو میں ہوں لیکن — فدائی ہوں اللہ کے عاشقوں کا

یہ امید رکھتا ہوں لطف ازل سے — کہ اس دل میں پر تو پڑے صادقوں کا

ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا، انک علی کل شئ قدیر وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

احقر محمد اقبال ہوشیار پوری۔ مدینہ منورہ